کا کتب خانہ بھی اپنے نوادر کے لحاظ سے ہندوستان کے بہترین کتب خانوں میں ہے، اور اس میں عربی، فارسی اور اردو کی ہزاروں نادر و نایاب کتابیں ہیں، سر سالار جنگ اسٹیٹ کمیٹی ان سب کی الگ الگ فہرستیں مرتب کرا رہی ہے، اردو کے مخطوطات کی یہ فہرست حیدر آباد کے مشہور صاحب قلم جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی نے مرتب کی ہے، اس کے ابواب کی تقسیم ڈیوی اصول کے مطابق مختلف فنون اور پھر ان کی ذیلی شاخوں پر کی گئی ہے، ہر کتاب کے تحت میں مصنف کے مختصر حالات اور قلمی نسخہ کے متعلق ضروری معلومات درج کیے گئے ہیں، اس فہرست میں ایک ہزار سے کچھ اوپر مخطوطات کا تذکرہ ہے، کتاب کے شروع میں سر سالار جنگ کے خاندان کی مختصر تاریخ اور اس فہرست کے متعلق ضروری باتیں درج کی گئی ہیں، اس فہرست سے اردو کے بہت سے نادر مخطوطات کا علم ہو جاتا ہے، اور ...... اردو کی تاریخ کے بعض نئے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے، اسکی اشاعت اردو کے ذخیرہ میں ایک مفید کتاب کا اضافہ ہوا ہے

تاریخ ملت گیارہویں جلد سلاطین ہند	مولفہ جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۰۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر،

قیمت مجلد ۴ غیر مجلد ۳ پتہ: ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی،

ندوۃ المصنفین دہلی نے تاریخ ملت کا جو مفید سلسلہ شروع کیا ہے، یہ اس کی گیارہویں اور سلاطین ہند کی دوسری جلد ہے، اس میں کشمیر و گجرات کے حکمرانوں، دکن کی بہمنی، عماد شاہی، قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں اور تیموری سلطنت کے حالات ہیں، یہ کوئی مبسوط تاریخ نہیں ہے، بلکہ عام اور اجمالی معلومات کے لیے ایک مختصر نصابی کتاب ہے، چنانچہ ان تمام حکومتوں کے حالات تین سو صفحوں میں آگئے ہیں، لیکن تاریخ ہند مصنف کا خاص موضوع ہے، اس لیے یہ کتاب اختصار کے باوجود جامع ہے اور اس میں بہت ضروری معلومات آگئے ہیں، اور مختصر تاریخ ہندوستان کی حیثیت سے مفید ہے، (م)

جلد ۸۱ ماہ شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ مطابق مارچ ۱۹۵۸ء نمبر ۳

مضامین

شذرات

آہ مولانا ابوالکلام

علم و دانش کا آفتاب غروب ہوگیا

بالآخر اس مسیحا نفس نے بھی جان جاں آفریں کے سپرد کردی جو نصف صدی تک اپنے انفاس گرم سے مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونکتا رہا، وہ روشن ضمیر اٹھ گیا جو اپنے نور بصیرت سے تاریک دماغوں کو منور کرتا رہا، کاروانِ ملت کا وہ حُدی خواں رخصت ہوگیا جو اپنی ہدایت و رہنمائی سے گم کردہ راہوں کو راہ راست دکھلاتا رہا، وہ شمعِ فروزاں خاموش ہوگئی جس کی روشنی سے علم معرفت کا ہر گوشہ منور تھا، مولانا ابوالکلام کی وفات تنہا ہندوستان کا نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کا حادثہ ہے اور اس حادثہ پر جتنا ماتم بھی کیا جائے کم ہے۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

ایسی جلیل القدر اور عہد آفریں شخصیتیں مدتوں میں پیدا ہوتی ہیں، جو افکار و تصورات کی دنیا اور قوموں و ملتوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیتی اور تاریخ کا نیا دور شروع کرتی ہیں اور ترقی و تعمیر کی ہر راہ میں اپنے نقش قدم رہنمائی کے لیے چھوڑ جاتی ہیں، حق یہ ہے کہ مولانا کی وفات پر ان کی زبان سے اقبال کا یہ قطعہ آج پھر دہرایا جائے۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید — نسیم از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے — دگر دانائے راز آید کہ ناید

ان میں فطری عظمت تھی، وہ فلسفیانہ فکر، مجتہدانہ دماغ اور مجاہدانہ جوش عمل رکھتے تھے، اور اپنے گوناگوں کمالات کے اعتبار سے تنہا ایک عالم تھے، علم و فن کے امام و مجتہد بھی تھے، اور دانائے راز حکیم و مفکر بھی، میدان سیاست کے مدبر بھی تھے اور عرصۂ جہاد کے شہسوار بھی، سحر طراز ادیب بھی تھے اور جادو بیان خطیب بھی، ذہانت و ذکاوت، فہم و فراست، فکر و تدبر کی گہرائی، دیدہ وری و نکتہ رسی میں ان کا کوئی معاصر ان کا حریف نہ تھا، ان کی ذات پر بہت سے اوصاف و کمالات اور تاریخ کے ایک پورے دور کا خاتمہ ہوگیا، وہ فطرۃً عبقری تھے، جس راہ میں بھی انھوں نے قدم رکھا، اپنا راستہ سب سے الگ نکالا اور ہر میدان میں اپنا الگ مقام اور امتیازی شان رکھتے تھے، احسان کسی دوسرں کا بار نہ تھا، اخلاق میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ وہ ادنی درجہ کی بات سوچ ہی نہ سکتے تھے، اپنے مخالفوں کے ساتھ بھی احسان و سلوک کرتے تھے، جس پر گذشتہ دس سال کی تاریخ گواہ ہے۔

وہ حق و صداقت کی آواز اور عزم و استقلال کا پہاڑ تھے، جو راہ ابتدا میں انھوں نے اختیار کی اس پر آخر عمر تک قائم رہے، اس طویل مدت میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے، بڑے بڑے لیڈروں کے پاؤں ڈگمگا گئے مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، انکی نگاہ اتنی دوربیں تھی کہ ۱۹۱۲ء میں انھوں نے جو صدا بلند کی تھی وہ بالآخر پورے ملک کی آواز بن گئی، اس راہ میں وہ گاندھی جی کے بھی پیشرو تھے۔

وہ جنگ آزادی کے میر کارواں اور آزاد ہندوستان کے معمار اعظم تھے، ان کے کارنامے اتنے گوناگوں ہیں کہ اسکا احاطہ دشوار ہے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جنگ آزادی کی ابتدا سے لیکر اس وقت تک جتنے نازک مراحل پیش آئے اور جس قدر اندرونی و بیرونی پیچیدہ مشکلات و مسائل پیدا ہوئے ان کے حل کرنے میں مولانا کے تدبر کو بڑا دخل تھا، وہ متحدہ قومیت کا نشان اور سیکولرزم کی آبرو تھے، ہندوستان کی تقسیم کے بعد جب پورا ملک فرقہ پرستی کے سیلاب میں بہ نکلا تھا، ان ہی نے حکومت کو اس میں گرنے

بچایا اور دنیا میں ہندوستان کی سیکولرزم کی لاج رکھ لی، اگر مولانا کی بصیرت رہنما نہ ہوتی تو معلوم نہیں ہندوستان کس راہ پر پڑ جاتا اور اسکا انجام کیا ہوتا، مولانا کی ذات فرقہ پرستی کے خلاف سپر تھی، اور ہر فرقہ کو ان پر اعتماد تھا، چنانچہ آج بلا تفریق مذہب و ملت سارے فرقے ان کے غم میں سوگوار ہیں، غرض وہ ہندوستان میں روشنی کا مینار تھے جس سے پورا ملک روشنی حاصل کرتا تھا، اب پنڈت جواہر لال نہرو کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو اس روشنی کو قائم رکھ سکے، مگر انکی قوت بازو بھی مولانا تھے، اس لیے دیکھنا یہ ہے کہ یہ روشنی کہاں تک قائم رہتی ہے،

ان میں دین و سیاست، مذہبیت و وطنیت اور جدت و قدامت کا نہایت دلکش امتزاج تھا، اور ان پر انکی نظر بڑی حکیمانہ تھی، انھوں نے ان مختلف عناصر کو ایک دوسرے سے متصادم ہونے کے بجائے ہم آہنگ کر دیا، اور اسلام میں دین و سیاست کی وحدت کا بھولا ہوا سبق ان ہی نے مسلمانوں کو یاد دلایا، ایک طرف وہ بڑے عالم دین، راسخ العقیدہ مسلمان اور اپنی دینی و تہذیبی روایات کے امین و محافظ تھے، دوسری طرف زمانہ کے حالات اور تقاضوں پر بھی ان کی نظر تھی، اور نئی قابل قبول چیزوں کیلئے بھی ان کا دل کشادہ اور دامن وسیع تھا، قوم پروری اور وطن دوستی میں وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں کے بھی رہنما تھے،

ہندوستان میں انگریزی حکومت کے قیام کے بعد مسلمانوں میں پسپائی اور کمتری کا جو احساس پیدا ہو گیا اور جدید علوم اور مغربی تہذیب کا جو رعب ان پر چھا گیا تھا، اس کے دور کرنے میں مولانا کا بڑا حصہ ہے، اور اس میں انکا انداز معذرت خواہانہ نہیں بلکہ ناقدانہ اور جارحانہ تھا، مغرب زدہ طبقہ میں سب سے پہلے ان ہی نے دینی و ملی غیرت و حمیت کی روح پھونکی اور یہ ان ہی کا فیض تھا کہ علی گڈھ کالج جیسے جدید تعلیم و تہذیب کے مرکز سے محمد علی جیسا مرد مومن اور مجاہد پیدا ہوا اور پرانے خیال کے علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا

مولانا کا اصل مقام علم و حکمت کا کنگرہ تھا، سیاست کے میدان میں وہ بقول خود آئے نہیں بلکہ لائے گئے

تھے، گر پھر اس خارزار میں ایسا دامن الجھا کہ علم و فن کا کوچہ قریب قریب چھوٹ گیا، اس سے ملک و وطن کو جتنا فائدہ پہنچا اتنا ہی علم و ادب کا نقصان ہوا، اگر انکی توجہ علم و ادب کے دائرے تک محدود رہتی تو معلوم نہیں آج اردو کا دامن کیسے کیسے گرانبہا علمی جواہر سے لبریز ہوتا، پھر بھی جب کبھی وہ ادھر توجہ کر دیتے تھے تو علم و ادب کا کوئی نہ کوئی شاہکار وجود میں آجاتا تھا اور یہ ان کے قلم کا اعجاز تھا کہ وہ چڑیا چڑے کی کہانی بھی لکھ دیتے تھے تو ادب عالیہ کا نمونہ ہوتی تھی،

ہندوستان کی آزادی کے بعد مولانا نے پبلک جلسوں میں شرکت بالکل چھوڑ دی تھی، چنانچہ ایک مدت کے بعد وہ دلی کی اردو کانفرنس میں شریک ہوئے تھے اور تقریر بھی کی تھی، یہ شاید اس لیے کہ اب یہ چراغ بجھنے والا تھا، یہ تقریر اگرچہ مختصر تھی لیکن اس حیثیت سے نہایت اہم تھی کہ اس میں انھوں نے صریح الفاظ میں اردو کی حیثیت اور اس کا حق واضح کر دیا تھا، اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اردو بولنے والوں کا یہ حق ہے کہ وہ اس حق کا مطالبہ کریں اور ملک و حکومت دونوں کو اردو کی اس حیثیت کو ماننا چاہیے، یہ آخری فقرے غالباً کسی اخبار نے نقل نہیں کیے ہیں، آخر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ وزیر اعظم کے اس کانفرنس کا افتتاح کرنے کے بعد یقیناً "کانفرنس اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی، یہ اردو کے جائز حق کے لیے مولانا کی آخری وکالت تھی جس کی حیثیت گویا وصیت کی ہے، دیکھنا یہ ہے کہ وہ ارباب حکومت جن کی آنکھیں مولانا کے غم میں اشکبار ہیں، ان کی اس آخری وصیت کا کہاں تک لحاظ رکھتے اور ان کی محبوب زبان کیساتھ کیا سلوک کرتے ہیں، یہ مولانا کے ساتھ ان کے تعلق کا سب سے بڑا امتحان ہے۔

دار المصنفین کے ساتھ مولانا کو دوہرا تعلق تھا، ایک مولانا شبلی کی یادگار، دوسرے ایک علمی ادارے کی حیثیت سے، جس پر ان کے وہ مکاتیب شاہد ہیں جو معارف میں شائع ہو چکے ہیں، اس تعلق کو انھوں نے ہمیشہ قائم رکھا، ابھی چند سال ہوئے جب دار المصنفین سخت مالی مشکلات میں مبتلا ہو گیا تھا اور اس کے چلنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، مولانا ہی کی امداد و دستگیری سے اس کو دوبارہ زندگی ملی، اس کی

امداد و اعانت برابر ان کے پیش نظر رہتی تھی، اور جب بھی اس کا کوئی موقع آتا تھا تو دار المصنفین کو نہ بھولتے تھے، اس وقت بھی یہ مسئلہ ان کے سامنے تھا، ابھی ۷، فروری کو راقم الحروف ان سے ملا تھا حسب معمول بڑی شفقت سے پیش آئے، دار المصنفین کے حالات پوچھتے رہے، اور فرمایا کہ ان کی جانب سے دار المصنفین کی امداد میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات اور دار المصنفین کے لیے ان کے آخری الفاظ ہیں، دار المصنفین بھی انشاء اللہ اس تعلق کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کرے گا، فی الحال مولانا کی یادگار میں معارف کا خاص نمبر نکالنے کا قصد ہے، اور آئندہ بھی اس سلسلہ میں جو خدمت انجام دے سکتا ہے اس کو انجام دینے کی کوشش کرے گا۔

اللہ تعالیٰ اس ترجمان القرآن، مجاہد جلیل، قوم و ملت کے غمخوار اور مسلمانوں کے محسن کو دنیا کی طرح عالم آخرت کی سربلندی سے بھی سرفراز فرمائے،

ناظرین معارف کو یہ سنکر مسرت ہوگی کہ الحمد للہ دار العلوم ندوۃ العلماء ہر لحاظ سے ترقی پذیر ہے، اس وقت ہندوستان کے علاوہ مختلف اسلامی ملکوں اور بعض عرب ممالک تک کے طلبہ دار العلوم میں زیر تعلیم ہیں اور ان کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ موجودہ اقامت گاہوں میں ان کے رہنے کی گنجایش نہیں رہ گئی ہے، اور نئے دار الاقامہ کی تعمیر کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے، لیکن اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ اس کے لیے کوئی مستقل عمارت بنائی جاسکے، اس لیے فی الحال یہ صورت کی گئی ہے کہ پرانے دار الاقامہ کی عمارت کو جو اک منزلہ ہے دو منزلہ کیا جارہا ہے، مگر اس کے لیے بھی مصارف درکار ہیں، کچھ روپیہ تو لکھنو سے فراہم ہوگیا ہے، باقی کے لیے مختلف مقامات پر وفود بھیجے جارہے ہیں، ہم کو امید ہے کہ اصحاب خیر اس کارِ خیر میں پوری امداد دیں گے، مگر وفود ہر جگہ نہیں پہنچ سکتے، ایسے لوگ ناظم صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے نام روپیہ بھیج سکتے ہیں،

مقالات

فقہ کی تشکیل اور آغاز کا معمہ

مترجمہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

گ، ہ، بوسکے (G. H. Bousquet) جامعہ الجزائر، شمالی افریقہ میں قانون اور عمرانیات کے پروفیسر رہے ہیں، انھوں نے کچھ عرصہ ہوا، الجزائر کے ایک قانونی ماہنامے Revue Algerienne, Tunisienne et Marocaine de Legislation et de Jurisprudence بابت جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۴۷ء میں عنوان بالا پر (جو اصل فرانسیسی میں Le mystere de la formation et des origines du Fiqh کے نام سے چھپا ہے) شائع کیا ہے، یہ ایک طرح سے پروفیسر ناقینو کے اس اطالوی مضمون کا تکملہ ہے، جس کا ترجمہ جنوری ۱۹۵۳ء کے معارف میں "رومی اور اسلامی قانون کے تعلقات پر چند ملاحظات" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، موجودہ مقالہ میں بھی فقہ کی تدوین میں بیرونی اثرات کے وجود سے انکار کیا گیا ہے، اس لیے اس قابل ہے کہ اردو داں اہل علم اس سے آگاہی حاصل کریں، ترجمے کے مؤلف نے از راہ عنایت اجازت دیدی ہے۔ (مترجم)

فقہ کے آغاز اور اس کے ارتقا کی تاریخ پر کم از کم تین مختلف جہتوں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے:

(۱) پہلے وہ ہے جسے میں اس قانون کے ارتقاء کی "سرکاری تاریخ" سے موسوم کروں گا، جو خاص کر کتب اصول فقہ اور عرب مؤلفوں کے دیگر اشارات سے ہویدا ہوتی ہے، یعنی اس کے چار ماخذوں [قرآن، حدیث، اجماع، قیاس (مترجم)] کی توضیح، ان سے استفادے کا طریقہ، اور رفتہ رفتہ باب الاجتہاد کا قطعی طور پر بند ہو جانا وغیرہ، یہ بڑی نفیس چیزیں اور ساتھ ہی بعد کے زمانے میں اس مسئلے کے یورپی مطالعے کی اساس بھی ہیں، لیکن ان کی بڑی خامی یہ ہے کہ ان کا بڑا حصہ بطور دلیل لمی[1] (a posteriori) مرتب ہوا ہے، اور وہ ایک تذکرہ تو ہیں لیکن توجیہ نہیں،

(۲) ان ماخذوں کی یورپی تنقید، دو نام یہاں بیان کرنے ناگزیر ہیں، ایک تو سنوک ہورخرونیے[2] (Snouch - Hurjronge) جس نے تصور "اجماع" کی غیر معمولی اہمیت بتائی ہے، اور دوسرے گولٹ سیہر (Goldziher) جس نے بتایا ہے کہ مروجہ حدیثوں کے عظیم الشان انبار سے علماء و فقہاء نے کیا فائدہ اٹھایا، اور یہ کہ ان جعلی حدیثوں[3] سے ہمارا کیا مفاد وابستہ ہے، ان دونوں مؤلفوں

---

[1] یعنی وہ طریقہ استدلال جس میں نتیجہ دیکھکر اس کے سبب کا پتہ چلایا جاتا ہے، گویا وہ "لم" (کیوں ؟) کا جواب ہوتا ہے (مترجم)۔ [2] ولایتی ناموں کا یہاں صرف صحیح تلفظ درج کیا جاتا ہے، علمی حلقوں میں صحیح تلفظ کا پھیلنا ہر طرح قرین صواب ہے، ان ناموں کو انگریزی کے اصول پر پڑھنا غلط ہے، کیونکہ مختلف حروف کا تلفظ مختلف فرنگی زبانوں میں الگ الگ ہوتا ہے۔ (مترجم)۔ [3] گولٹ سیہر کا پرانا نظریہ (جو اب از کار رفتہ ہو چکا ہے) یہ ہے کہ کتب حدیث، رسول اکرم کے زمانے کی باتوں کی صحیح ترجمانی نہیں کرتیں، بلکہ ان کتابوں کی تالیف کے زمانے میں مسلمانوں کے جو افکار و خیالات تھے، ان کو ان کے مؤلف خواہ مخواہ عہد نبوی کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں، لیکن اب تیسری صدی ہی نہیں بلکہ دوسری اور خود پہلی صدی ہجری کی کتب حدیث کی دستیابی سے اس بدگمانی اور مفروضے کے تار و پود بکھر گئے ہیں، چنانچہ صحیفۂ ابی ہریرہ بہمام بن منبہ (م ۱۰۱ھ) سے قبل کی تالیف ہے، مل چکا ہے، اس کے چوتھے اڈیشن میں جو ۱۹۵۶ء میں حیدر آباد دکن میں چھپا ہے، ناشر نے اپنے مقدمے میں تفصیل سے ان مسائل سے بحث کی ہے (مترجم)

کے باعث ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ نظریۂ اصول فقہ کو ایک نئی روشنی میں دیکھیں، گویا ہم اس طرح اس نظام کی مؤثرہ قوتوں کو کارکردگی کی حالت میں دیکھ سکتے ہیں، چنانچہ اسی مفہوم کو ذہن میں لے کر اسنوک ہورخرونیے نے فانڈن برگ (V. den Berg) کے اس نظریے پر آگ بگولہ ہو کر تنقید کی تھی کہ[1] "فقہ کی تاریخ خاصی واضح ہے، اور ایک طرح سے یہ تاریخ مدون بھی ہو چکی ہے"،

(۳) لیکن ایک تیسرے نقطۂ نظر سے یہ او عا محض غیر صحیح ثابت ہوتا ہے، یعنی ایسے بیرونی اثرات کی موجودگی جو اسلامی نظام قانون کی پیدائش اور حیرتناک تیزی سے اس کی ترقی میں حصہ دار سمجھے گئے ہیں، یہ صحیح ہے کہ [مسلمانوں کے] ارتقاء قانون کی یہ تیزی [ان کی] ملکی فتوحات کی تیزی سے کسی قدر کم ہے، اگر صقلیہ کو چھوڑ دیں تو عربوں کی ساری فتوحات رسول خدا کی وفات سے ایک سو سال سے بھی کم عرصے میں حاصل ہو گئی تھیں، پھر بھی ارتقاء قانون کی تیزی جاذب توجہ ہے،

یہ امر نمایاں کیے جانے کے قابل ہے کہ اسلامی قانون کی اہم ترین کتابیں، مذاہب فقہ کی عین پیدائش ہی کے ساتھ، یا کم و بیش اسی زمانے میں مرتب ہو گئیں، اور ہجرت پر پوری دو صدیاں بھی نہ گزری تھیں کہ مسلمانوں کے ہاں ایسی کتابیں وجود میں آ گئیں جن پر آج تک عملاً کوئی اضافہ نہ ہو سکا، بعد کی کتابیں یا تو محض ان کا اعادہ ہیں یا بے مصرف مگر اس شاید ہی ان میں کوئی نئے تصورات یا بار آور ارتقاء کے کوئی جراثیم پائے جاتے ہوں۔

اس کے ثبوت کے لیے مالکی اور شافعی مذاہب کی دو بنیادی کتابیں، المدونہ اور کتاب الام کافی ہیں [مؤلف کو کتب حنفی سے واقفیت نہیں معلوم ہوتی، ورنہ امام محمد شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ/۸۰۴ء کی کتاب الاصل، جو المبسوط بھی کہلاتی ہے، کیا بہ لحاظ ضخامت اور کیا بہ لحاظ قدر و قیمت مذکورہ

---

[1] یہ مضمون رسالہ De Gids ۱۸۸۴ء میں چھپا، پھر اسنوک ہورخرونیے کے مجموعۂ مقالات، موسومہ Verspreide Geschriften کی جلد دوم میں بھی شامل کیا گیا ہے،

دونوں کتابوں سے کم نہیں، پھر وہ ان دونوں سے قدیم تر بھی ہے۔ [مترجم] — مالکی مذہب کی کتاب، یعنی المدونہ کا مؤلف جو بھی رہا ہو، مگر یہ یقینی ہے کہ وہ کم از کم بنیادی حصے کی حد تک امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ/۷۹۵ء کے شاگرد ابن القاسم کے دروس پر مبنی ہے۔ اگر یہ فرض بھی کرلیں کہ اس کا ایک اچھا خاصہ حصہ بانیِ مذہب (امام مالک) کے بعد کا ہے، تو بھی بہرحال وہ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ/۸۲۰ء کی کتاب الام کی ہمعصر ہے۔ یہ واضح رہے کہ ایک نئے فقہی مذہب کے بانی بننے سے قبل، امام شافعی خود بھی امام مالک [نیز امام محمد شیبانی (مترجم)] کے شاگرد رہے ہیں، اس طرح بہرحال ہم ایک ایسے زمانے میں رہتے ہیں جب کہ [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کی وفات [پر جو ۱۱ھ/۶۳۲ء میں ہوئی] پوری دو صدیاں بھی نہیں گزری تھیں۔

چنانچہ جو شخص ان دونوں کتابوں (المدونہ اور الام) کی محض ورق گردانی ہی کرلے، اسے فوراً پتہ چل جائے گا کہ:-

(الف) یہ کتابیں اپنی ترتیب اور اپنے افکار علمی میں ان تالیفوں سے کہیں فائق ہیں جو بعد کے زمانوں میں تدریس یا اطلاق قانون کے لیے زیر استعمال رہیں، ان میں ایسے استدلال اور ایسی توجیہیں ملتی ہیں جن پر اس وقت سے اب تک کوئی اضافہ نہیں ہوسکا۔ خاص کر المدونہ — جسے میں زیادہ جانتا ہوں، کیونکہ علاوہ اور وجوہ کے، اس سے مراجعہ آسان تر ہے — یہ کتاب بعض وقت واقعی ایک ایسی غذائے ذہنی پیش کرتی ہے جو کسی مختصر خلیل، کسی منہاج الطالبین، کسی لب اللباب وغیرہ میں کبھی نہیں ملے گی۔

(ب) خود فروعی مسائل کے حل میں، ان بنیادی کتابوں کے مؤلف اتنی دور جاچکے ہیں کہ ہمیں یہ پوچھنا پڑتا ہے کہ متقدمین کے مستند نظریے کے مطابق، بانیانِ مذاہب کے شاگردوں کو جس حد و اجتہاد کی اجازت رہی ہے، وہ کس امر کے متعلق رہی ہوگی؟ یہ بات خاص کر کتاب الام

پر صادق آتی ہے۔[1]

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ فقہ نے اپنے آغاز سے لے کر عروج کو پہنچنے تک اپنے ارتقا میں جو راستہ طے کیا، وہ ایک حیرت انگیز تیزی سے طے ہوگیا، مگر یہ کیسے ہوا؟ اس مرحلے پر یہ مسئلہ نہایت تاریک ہوجاتا ہے، کیونکہ جن یادگاروں (المدونہ اور الام) کا ہم نے ابھی ذکر کیا، ان کے پہلے بہت کم کتابیں ایسی تالیف ہوئیں جو اب تک باقی ہوں، مثال کے طور پر بانیانِ مذاہب فقہ کے سرآمد امام ابوحنیفہ کی [فقہی] تالیفیں ہم تک نہیں پہنچی ہیں،[2] اس کے علاوہ جو سب سے قدیم متن ہمیں معلوم ہے، بشرطیکہ وہ اصلی بھی ہو، امام زید بن علی [فوت ۱۲۰ھ] کی کتاب المجموع فی الفقہ ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زیادہ سے زیادہ ایک سو سال بعد کی تالیف ہے۔

اس بحث میں جو متن ہمارے لیے سب سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہے، وہ امام مالک کی کتاب الموطا ہے، اس کے اصلی ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، اس میں حدیثیں بھی ہیں اور رواج یا عرف مدینہ کے متعلق مشاہدات بھی، رہا قرآن کی تدوین [یعنی نزول (مترجم)] سے لے کر مذاہب فقہ کی بنیاد پڑنے

[1] وہ ساری غیر معمولی نکتہ آفرینی جو رضاعی رشتہ داری کے متعلق ہو، اس میں موجود ہے حتیٰ کہ مسئلہ خنثیٰ بھی (۱۳۲۶ھ کی طباعت کی ج ۵ ص ۲۳، ۲۶ و ۲۰ میں) یہاں کتابیہ عورت سے نکاح کے نتائج کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے (ایضاً وغیرہ)، یہ حصہ واقعی بڑا دلچسپ ہے، مثال کے طور پر ایسی عورت کو بعض صورتوں میں مجبور کیا جائیگا کہ مسلمانوں کے قانون کے مطابق پاکی حاصل کرے، خود المدونہ سے بھی مماثل مثالیں بہ آسانی فراہم کی جاسکتی ہیں۔ [2] انکے دو بڑے شاگردوں میں سے امام ابویوسف کی کتاب الخراج باقی ہے، اور امام محمد الشیبانی کی مجملہ دیگر تالیفوں کے ایک تالیف کے کچھ ٹکڑے کا جامعہ برلن کے رسالے (Mseo =) Mitteilung des Seminars dio oriental-ischen sprachen میں ترجمہ ہوا ہے، لیکن یہ المدونہ اور الام کے مقابلے میں کمتر درجہ کی تالیفیں ہیں [مؤلف کو مجلس احیاء المعارف النعمانیہ، حیدر آباد دکن کے کارناموں سے آگاہی نہیں معلوم ہوتی ہے جس نے صاحبین کی کوئی نصف درجن کتابیں چھاپ ڈالی ہیں، اس فرانسیسی مقالے کی اشاعت کے بعد جامعہ قاہرہ سے امام محمد کی کتاب الاصل کی طباعت شروع ہوئی ہے۔ مترجم]

تک کا زمانہ، جو ایک سو سال پر مشتمل ہے، اس کے آثار اب کچھ بھی باقی نہیں ہیں[1]،

بہر حال ۶۳۲/۱۱ھ میں [رسول اکرم کی وفات کے وقت] عرب عبارت تھے قبائل کے ایک مجموعے سے جس میں ربط وارتکاز کم پایا جاتا تھا اور جو اسلامیت سے کم یا زیادہ آشنا تو ہو چکے تھے لیکن ان کا معیار ثقافت، خصوصاً مذہبی اور قانونیاتی نقطۂ نظر سے، ان ملکوں کے مقابلے میں جنھیں وہ بہت جلد فتح کرنے والے تھے، بہت پست تھا، مگر دو صدیوں سے بھی کم عرصہ بعد، اس مذہب کے نام سے جو ان کو اتنی مشکل سے اپنے قابو میں رکھے ہوئے تھا، افکار انسانی کی وہ عجیب وغریب پیداوار تشکیل پذیر ہوئی، جسے "فقہ" کہتے ہیں، ممکن ہے کوئی ایسا بھی ہو جو اس کی داد نہ دے، پھر بھی وہ افکار انسانی کی ایک قابل ذکر جد وجہد یقیناً ہے، لیکن یہ کیسے اور کن اثرات کے تحت وجود میں آیا، خاص کر پہلی صدی ہجری میں؟ یہ بات ہمیں معلوم نہیں، اور فقہ کے آغاز کے سلسلے میں یہ معمہ ہے، اگر اس کی پیدائش نفی محض سے ہوئی تو افکار اسلامی کی داد دینی پڑے گی، اور چاہے یہ بات کتنی ہی کم قرین قیاس کیوں نہ ہو، اس کی تردید کرنا، اس کے برعکس صورت حال ہونے کا ثبوت دینا، اس کی موجودہ حالت میں سخت دردسری کا باعث ہے.

(۱)

اس موضوع پر بحث کرنے سے پہلے میں ناظرین کی توجہ، تاریخ آغاز فقہ کے سلسلے میں ایک اور معمے کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں، جسے داخلی معمہ کہہ سکتے ہیں، اور سب سے زیادہ بڑا معمہ، یہ سنی اور غیر سنی فقہ کا بالکل ایک ہونا ہے، جسے آج تک کسی نے غالباً معمہ نہیں خیال کیا.

یہ معلوم ہی ہے کہ شیعہ فقہ، سنی فقہ سے صرف چند اہم باتوں میں مختلف ہے (یعنی قانون وراثت،

[1] [حضرت جابرؓ کی کتاب الحج، حضرت علیؓ کے فتاوی، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی کتابیں جو فقہی چیزیں تھیں، ان کا اب صرف نام باقی ہے، ۵۸ھ سے قبل کی ایک صحیفۂ ہمام بن منبہ البتہ موجود ہے، اسی طرح ہمام کے شاگرد معمر بن راشد کی الجامع لیکن یہ دونوں آخر الذکر کتابیں فقہ سے زیادہ حدیث سے متعلق ہیں۔ مترجم]

متعہ، ولد الحرام کا رشتہ اپنی ماں سے)، باقی سارا شیعی نظام فقہ سنی فقہ سے اتنا ہی اختلاف رکھتا ہے جتنا سنی مذاہب فقہ خود آپس میں فرق رکھتے ہیں،

یہ یکسانی اباضی (یعنی خوارج) کی فقہ میں اور بھی زیادہ واضح ہے، جو کہنا چاہیے سنی فقہ سے تقریباً بالکل ہی اختلاف نہیں رکھتی،

اب صورت حال اپنے ذہن میں تازہ کیجیے، پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے تیس ہی سال بعد دو بڑے دینی اختلافات پوری قوت کے ساتھ رونما ہو چکے تھے، ان اختلاف کرنے والوں اور سنیوں کے درمیان بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں، یہ تو کوئی بھی قبول نہ کرے گا کہ نظام فقہ اس، پہلی صدی ہی میں تشکل پذیر ہو گیا ہو، جو [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کی وفات اور ان دینی اختلافات کے درمیان واقع ہے، تو پھر یہ کیا بات ہے کہ [سنی، شیعہ اور خوارج تینوں کے نظام ہائے فقہ میں] نہ صرف قانونی حل ایک ہی ہیں، بلکہ فروعی امور کی حد تک مسائل سے بحث کی تفصیلات، بلکہ کتب فقہ کی تبویب تک میں وہ یکساں ہیں، یہ امر مجھے بڑی حیرت میں غرق کر دیتا ہے، یہ فقہ کی تشکیل داخلی کے متعلق ایک ناقابل ادراک معمہ ہے،

(۲)

اگر اثرات کے متعلق گفتگو کی جائے (خواہ وہ ادبی ہوں یا اخلاقی، سیاسی ہوں یا مذہبی وغیرہ) تو کم از کم دو چیزوں میں اچھی طرح امتیاز کرنا چاہیے، یعنی جو چیز اخذ یا نقل ہو سکتی ہے، وہ یا تو مواد ہوگا یا روح (اسپرٹ) اور بسا اوقات دونوں کو نقل اور بعض وقت چوری کہا جا سکتا ہے، مثلاً گوئٹے کی لافانی نظم "ہرمان اور دوروتیا" (Hermann und Dorothea) مواد کی حد تک ایک پیش پا افتادہ چند سطری قصے[1] سے ماخوذ ہے، بائرن[2] کی قابل تعریف نظم "قین"

[1] [وہ قصہ یہ ہے کہ چند خانماں برباد پناہ گزیں ہرمان کے گاؤں سے گزرتے ہیں، تو ہرمان ان میں دوروتیا

(باقی ص ۱۷۳ پر)

[Cain یعنی ہابیل کا بھائی قابیل] میں توریت کی کتاب "پیدائش" کی چند آیتوں سے ماخوذ ہے
لیکن اس مواد پر جو خیال آرائی کی گئی ہے، وہ ان دونوں میں ان کے اصل ماخذ و مصدر سے ہیچ
نہیں ہے، لافونتین (La Fontaine) کی منظوم اخلاقی کہانیاں[1] (Fables)
یا راسین (Racine) کی نظم "آندروماک" (Andromaque)[2] کے مواد کے ماخذوں
کے متعلق بھی کوئی چاہے تو اسی قسم کے ملاحظات پیش کر سکتا ہے، اس کے برخلاف مثلاً تقلید شکن
رومان پسندی بھی، قدامت پسند "کلاسیکیت" ہی کی طرح ادبیات میں ایک بڑا روحانی یا جذباتی
دھارا رہی ہے، ان میں سے ہر ایک نے مولفوں کو متاثر کیا ہے، بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس موضوع
سے بحث کر رہے ہیں، اس لیے یہ خیال کرنا کوئی احمقانہ بات نہیں کہ وکٹور ہوگو[3] کوئی رومان پسندانہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۱) کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتا ہے، ہرمان کا باپ ایک مالدار ہمسایہ لڑکی کو بہو بنانا چاہتا ہے لیکن بعد میں
گاؤں کے پادری وغیرہ کی کوشش سے باپ رضامندی دے دیتا ہے، اور عاشق و معشوق شادی کے بعد ہنسی خوشی زندگی
گزارنے لگتے ہیں، یہ جرمن شاعر گوئٹے (Goethe) ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۳۲ء میں فوت ہوا۔ مترجم]

[لارڈ بائرن (Lord Byron) انگریز شاعر، زمانہ ۱۷۸۸ء تا ۱۸۲۴ء۔ مترجم]

[1] [لافونتین (۱۶۲۱ء تا ۱۶۹۵ء) مشہور فرانسیسی شاعر، اس نے کلیلہ و دمنہ اور گلستان و بوستان کے انداز پر جو اخلاقی
کہانیاں لکھی ہیں، ان میں، ان میں زیادہ تر جانوروں کو ہیرو بنایا گیا ہے، بھیڑیا اور بکری کا بچہ، لومڑی اور سارس وغیرہ وغیرہ
پر اسکی پر لطف کہانیاں ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ (مترجم]

[2] [راسین (۱۶۳۹ء تا ۱۶۹۹ء) فرانس کا حزن نگار شاعر، آندروماک ایک بیوہ ہے، جس پر بادشاہ
پیروس (Pyrrhus) عاشق ہو جاتا اور دھمکاتا ہے کہ اگر وہ نہ مانے گی تو آندروماک کے بیٹے کو قتل
کر دیا جائے گا، مگر پیروس کی منسوبہ ایک دوسری عورت مارے حسد کے بادشاہ ہی کو مروا دیتی ہے،
اس طرح یہ قصہ ختم ہو جاتا ہے، راسین سے پہلے بھی اس کہانی کو لاطینی میں ورجیل (Virgile)
اور یوریپیڈ (Euripide) اپنے اپنے انداز میں لکھ چکے تھے۔ مترجم)

[3] [Victor Hugo) فرانس کا رومان پسند شاعر، زمانہ ۱۸۰۲ء تا ۱۸۸۵ء
(مترجم

ناٹک "سدی"[1] کے نام سے لکھ سکتا تھا، یا راسین کسی رومان پسندانہ ناٹک کا موضوع لے کر اسے قدامت
پسندانہ "کلاسیکی" انداز میں برت سکتا ہے، جیسا کہ اس نے ترکی حرم سرا کے ایک واقعہ[2] کے متعلق کیا ہے،
قانون میں بھی ہم بالکل اسی طرح کی صورتِ حال سے دوچار ہو سکتے ہیں، مثال کے طور پر
برطانوی ہند میں انگریز حکامِ عدالت — بلکہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ کہ خود مسلمان حکام
عدالت جن کی تربیت انگریزی اہل قانون کی نہج پر ہوئی تھی — فقہ کا اطلاق انگلستان کے قانون
نظائر (Case Law) کے انداز پر کرتے تھے، حالانکہ ان دونوں نظام ہائے قانون کا مادہ
اور روح دو بالکل ہی مختلف اصلیتیں رکھتے تھے۔

اس تصور کی وضاحت کے لیے ہم اوپر دی ہوئی مذکورہ سادہ مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں،
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اسلام نے بھی فکری تصور اور مواد کی حد تک دیگر قانونی یا نیم قانونی
اور نیم مذہبی نظاموں سے کوئی چیز مستعار لی ہے؟

اس طرح کی اخذ و عاریت اگر ہوئی بھی ہے تو ظاہر ہے کہ صرف ان ممالک سے ہو سکتی ہے
جنھیں نہ صرف مسلمانوں نے فتح کیا تھا، بلکہ جو مدینہ منورہ سے باہر اور اس سے دور افکار اسلامی کے

[1] [کورنئی (Corneille) نامی فرانسیسی حزن نگار شاعر (زمانہ ۱۶۰۶ء تا ۱۶۸۴ء) نے
Le cid کے نام سے قدامت پسندانہ انداز میں ایک ناٹک لکھا تھا جس میں ایک اسپینی قصے کو اپنایا ہے جس میں سدی کا
رودریق ایک جاگیردار کی لڑکی پر عاشق ہو جاتا ہے، لڑکی کا باپ لڑکے کے باپ کو کسی بات پر پٹواتا ہے، اسکے انتقام میں لڑکا
اس جاگیردار کو مار ڈالتا ہے، اسکے باوجود لڑکی سدی رودریق کے عشق میں مبتلا رہتی ہے، جب رودریق عربوں پر ایک
بڑی فتح پاتا ہے تو لڑکی اپنے باپ کے قاتل عاشق سے شادی منظور کر لیتی ہے، مترجم]

[2] غالباً "بایزید" نامی ناٹک مراد ہے جو راسین نے ۱۶۷۲ء میں لکھا تھا، اس میں سلطان ترکی کی بیوی اپنے دیور
پر عاشق ہو جاتی ہے، اور قتل و خون کے ذریعے ناٹک کے کردار دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ مترجم

مرکز بھی بن گئے تھے، اور ان نومسلموں کے باعث جو کسی نہ کسی حد تک معیار ذہنی کے مالک ہوں، اور اس ہمارے کے باعث جو ان کا [سابقہ] قانون اور ان کا [سابقہ] مذہب مناہج فکر اور مسائل کے حل کے متعلق مہیا کرتا تھا، اسی بنا پر ہماری یہ بحث نظام ہائے قانون کے صرف چار گروہوں کی حد تک محدود رہے گی۔

۱۔ پارسیوں کا نیم قانونی نیم مذہبی نظام

۲-۳۔ قانون روما اور قانون کلیسائی جس حد تک وہ شام اور مصر میں معروف تھے۔

۴۔ تالمود (یہودی قانون)

(۳)

(۱) اس بحث میں ہم پارسی مذہب کا زیادہ ذکر نہ کریں گے، اس موضوع پر سب سے اہم تحقیق گولٹ سیہر (Goldziher) کی رہین منت ہے[1]، جو فرانسیسی "رسالہ" تاریخ مذاہب Rhr ۱۹۰۱ء جلد ۴۳ صفحہ نمبر ا و مابعد میں شائع ہوئی ہے[2]، اس کا اثر زیادہ تر مادی ہے، اور وہ بھی فقہ کی حد تک بہت قلیل چیزوں تک محدود رہا ہے، مثلاً نمازوں کی تعداد کا پانچ ہونا، مسواک، کتے سے حقارت کا برتاؤ۔ اس کے برعکس پارسیوں کے ہاں کتے کا بڑا احترام تھا ___ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ہم گولٹ سیہر کے

[1] گولٹ سیہر نے ایک مقالہ اسلام پر بدھ مت کے اثر پر انگلستان کے رسالہ مستشرقین JRAS میں شائع کیا ہے، مگر یہ اثر فقہ پر نہیں، بلکہ تصوف پر رہا ہے۔

[2] حال میں اس موضوع پر ایک اطالوی مقالہ بھی شائع ہوا ہے، لیکن وہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ [مولف نے ہماری دریافت پر جواب دیا کہ ان ہی مقالہ نگار یا رسالے کا نام بھی معلوم نہیں، جامعہ روما کے پروفیسر لیوی دیلا ویدا (Levi della Vida) نے از راہ عنایت لکھا ہے کہ غالباً یہ اطلاع غلط فہمی پر مبنی ہے، اگرچہ پروفیسر پالیارو (A. Pagliaro) نے ساسانی قانون پر کئی مقالے لکھے ہیں، لیکن ان میں فقہ پر اثر پڑنے کا کوئی ذکر نہیں۔
(مترجم)

اس خیال سے بھی اتفاق کر سکتے ہیں کہ "ایرانی علمائے دینیات نے اپنے قبول کردہ نئے مذہب (یعنی اسلام) میں اپنے پرانے روایاتی نقطہ ہائے نظر داخل کر لیے تھے"[1]، لیکن یہی مولف فقہ کی (جبکہ اس کا بحیثیت مجموعی تصفیہ کیا جائے) روح پر اپنے ان خیالات کا اطلاق کسی طرح نہیں کرتا۔

غرض اس بارے میں ہمارے موجودہ معلومات بہت محدود ہیں، اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ پر پارسی اثرات اصل میں ہی بہت محدود، یوں بھی اس مسئلے پر ہمیں بہت زیادہ معلومات حاصل ہو بھی نہیں سکتیں، کیونکہ پارسیوں کی مقدس [یعنی مذہبی] ادبیات کا ایک بڑا حصہ اسلامی[2] حملے کے نتیجے میں ضائع ہو گیا، چنانچہ ژندآویستا کے اکیس نسکوں میں سات قانون سے متعلق سمجھے جاتے تھے، ان میں بھی صرف ایک کامل ملتا ہے، اور باقی کے محض چند ٹکڑے ہیں، جو مکمل شکل موجود ہے، وہ بندیداو (Vandidad) ہے جو زیادہ تر عباداتی طہارت اور مختلف دیگر مسائل سے متعلق ہے، اور سب انتہائی بے ترتیبی کی حالت میں ہے[3]، اور یہ بے ترتیبی اس سے کہیں زیادہ ہے جو فقہ میں پائی جاتی ہے، اگر سرسری اور سطحی تاثرات کی بنا پر میں کوئی رائے ظاہر کرنے کا مجاز سمجھا جاؤں، تو میری رائے میں فقہ کے عام ظاہری خط و خال ہوں یا اس کی روح، ان دونو

[1] یہ صحیح ہو کہ عہد تابعین و مابعد میں بکثرت فقہاء و علماء، نومسلم زادے ملتے ہیں جن کی پوری تربیت اسلامی ماحول میں ہوئی تھی، اور جو صرف عربی میں لکھتے پڑھتے تھے، لیکن تازہ نومسلموں میں فقہاء، قضاۃ، یا متکلمین کے کوئی سراغ کم از کم مجھے نہیں ملا، ہمارے کرم فرما اپنی خواہش کو واقعہ قرار دے دیتے ہیں۔ مترجم]

[2] [غالباً اصل میں سکندر اعظم مراد تھا، اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ مسلمانوں نے ایرانیوں کی کتابوں کو چھیڑا ہو۔ فتح خیبر کے بعد توریت کے جو نسخے مال غنیمت میں ملے تھے، خود جناب رسالتمآب نے یہودیوں کو واپس دلا دیے تھے، یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مذہب اور مذہبی معلومات کو اگر مٹھی بھر پجاری اپنی اجارہ داری بنا لیں اور عوام میں ان کے پھیلنے میں مانع آئیں تو چھوٹے سا چھوٹا اتفاقی حادثہ بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیتا ہے، خود کردہ را چہ علاج۔ مترجم]

[3] ژندآویستا کا فرانسیسی ترجمہ از دارمش تیتر (Darmsteter) جلد دوم ص ا تا ۴، ۳۰، نیز دیباچہ،

میں کسی حد تک بھی پارسی قانون کے اثرات قابل لحاظ نہیں ہیں۔ اس میں [فقہ کے جیسے] طویل، دقیق، اور مفصل احکام نہیں پائے جاتے، جسے موشگافی کرنے والے (Casuistiques) فقہا نے قانون ربانی کی اساس پر مرتب کیا ہو، کیا پارسیوں کے پاس ایسا کوئی ادب (لٹریچر) پایا بھی جاتا تھا؟ میں اس سے واقف نہیں۔[1]

(۴)

(۴) کیا پھر یہ ممکن ہے کہ کسی ایسے اثر کا پتہ چلتا ہو جو قانون رومانے فقہ پر ڈالا ہو؟ چونکہ اس قانون کے متعلق پوری واقفیت ہے، اس لیے یہ دشوار نہیں کہ اس سے لیے ہوئے مادی حصے کو منصۂ شہود پر لایا جائے۔ مگر ماہرین نے اس وقت تک جو فردِ حساب تیار کی ہے، وہ کافی مایوس کن ہے، یہ نہیں کہ اس امر میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ ان میں اور فقہ میں چند مشابہتوں کا پتہ چلایا گیا ہے[2]

---

[1] بے شبہہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی تنظیمات میں ساسانی عام کشوری قانون سازی کا اثر پڑا، لیکن میرے علم میں اس پہلو کا کسی نے بھی مطالعہ نہیں کیا ہے۔ [مسعودی نے یہ ضرور صراحت کی ہے کہ مثلاً حضرت عمرؓ نے عراق و ایران میں وہاں کا پرانا نظام مالگذاری ہی برقرار رکھا، گویا وہ اسلامی قانون میں جذب کر لیا گیا، اسی طرح محمد ثمین اور مورخین رب نے بیان کیا ہے کہ ایران میں صرف خاصِ شاہی کی جاگیریں اور ڈاک وغیرہ دیگر منافع عامہ کی جائدادیں بھی عہد خلافت میں مرکزی حکومت کی ملکیت سمجھی جاتی رہیں، اور ان کے متعلق خلفاء اپنی صوابدید پر عمل کرتے رہے، ایرانی دراہم اور سکہ سازی بھی برقرار رہے، ایسی اور بھی جزئی تفصیلیں مل سکیں گی۔ مترجم]

[2] کاروسی (Caruso) کا نظریہ یہ ہے کہ "اسلامی قانون بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ ایک رومی قانون ہے جس میں بمشکل کوئی تبدیلی ہوئی ہو" (کذا)۔ وہ یہ الفاظ ہیوگ Hugues, La France Judiciai. ۷۲، 1878-79 سے اخذ کرتا ہے، جس نے عامیانہ خیالات کے ایک مختصر مضمون میں مذکورۂ بالا حماقت دکھائی ہے، کاروسی کی علمی قدر و قیمت کو نالینو (Nallino) نے پورے طور سے مشتبہ قرار دیا ہے۔ البتہ بعض معقول مشابہتیں وہ ہیں جو سانتلانا (Santillana) نے اپنی فرانسیسی کتاب مسودۂ قانون واجبات تونس (Avant-projet du code tunisien des obligations

(باقی ص ۱۷۷ پر)

لیکن میری نظر میں یہ آغاز فقہ کی گتھی کو حل نہیں کرتا، ایک لمحے کے لیے اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ دونوں نظام ہائے قانون کے مماثل قواعد جن کو اگر بہ حیثیت مجموعی جانچیں تو ان میں ایک بہت ہی خفیف

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۶) میں اور اپنے قابل داد ترجمہ "مختصر الخلیل" میں نہایت محتاط طور پر [مماثل] قانون رومالکے والوں اور حاشیوں میں بتائی ہیں، اس کے علاوہ موزان کی کتاب "الجزائر کے اسلامی قانون پر مطالعات" (Morand, Etudes de droit musulman algerien) جو مینی اوقات کے سلسلے میں، اشمیت کی "قبضہ اسلامی قانون میں" (Schmidt, Die Occupatio im islamischen Recht) مطبوعہ جرمن رسالہ دیر اسلام (Der Islam) ۱۹۱۰ء، بوسّی کی اطالوی کتاب "بیزنطینی اور اسلامی قانونِ شفعہ کے باہمی تعلقات کی تحقیق" (Buosi, Ricerce interno alle relazione fra retratto byzantino e musulmano) جیبرلوسے (roussier) نے فرانسیسی رسالہ "تاریخ قانون" (Revue Hist. de droit) ۱۹۳۴ء ص ۲۲۳ و مابعد میں تنقید کی ہے)، فون کریمر کی جرمن کتاب "مشرق کی ثقافتی تاریخ عہد خلافت میں" (von Kremer, Culturgeschichte des Orients unter den Chalifen) جلد اول ص ۵۳۲ و مابعد۔ یہ کتاب اگرچہ اب فرسودہ ہو گئی ہے، لیکن اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ فقہ کے تعلقات (یہودی) تالمود اور قانون روما کے ساتھ جو رہے ہیں، اس نے ان کو اچھی طرح محسوس کیا ہے اور اس مسئلے پر زور دیا ہے کہ حنفی قانون حضانت میں قانون روما سے رہنمائی حاصل کی گئی ہے، لیکن بدقسمتی سے اس مولف نے یہ خیال کر لیا کہ اس نے اس مسئلے کو حل کر دیا ہے، (نیز دیکھو کتاب بالا جلد دوم ص ۵۰۸ و مابعد میں ایک اہم عبارت) [حوالۂ اول میں اس قول کو اساس بنایا گیا ہے کہ یتیم کا مال پچیس سال کی عمر کے بعد اس کے سپرد کیا جانا چاہیے، حوالۂ دوم میں فون کریمر نے یہ لکھا ہے کہ ہو انہی جب قاضی اور مفتی مامور ہونے لگے تو انھوں نے اپنی سابقہ (غیر مسلم) ثقافت کی چیزیں فقہ میں داخل کرنی شروع کی ہوں گی، خاص کر نو مسلم یہودیوں نے تالمود سے استفادہ کیا ہوگا، لیکن فون کریمر نے اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا کہ کوئی نو مسلم کبھی قاضی و مفتی مقرر کیا گیا ہو تو مسلموں کی اولاد اسلامی مدارس میں تعلیم و تربیت پاتی تھی جس سے بیرونی اثرات اس میں کم و بیش ناپید ہو جاتے۔ مترجم]

تناسب معلوم ہوتا ہے۔ فقہ میں قانون روما کی راہ سے داخل ہوئے، تو اس کے باوجود یہ امر اپنی جگہ برقرار رہتا ہے کہ فقہی مواد کا مجموعہ، اس کے اصولی نظریے، کم از کم وہ نظریے جو فقہ کو اس کی خصوصی ہیئت عطا کرتے ہیں، قانون روما کے ذرا بھی مرہون منت نہیں ہیں، عبادات کا تو ذکر ہی کیا، اگر معاملات میں ان بنیادی خیالات کو لیا جائے جن پر نکاح، طلاق، غلامی، جہاد، ربا (سود) معاہدات عقود (غیر یقینیات کے متعلق)، نظام وراثت، شہادت و ثبوت، "آداب القاضی" کے نظریے مبنی ہیں، تو ان بنیادی معاملات کے بارے میں فقہی احکام اور قانون روما کے احکام میں قطعاً کوئی تعلق نہیں پایا جاتا،

یہ تو مواد کا حال ہے، رہی روح، تو فقہ اور قانون روما کی روح ایک دوسرے سے اور بھی زیادہ دور ہیں، فقہ کی دو بنیادی خصوصیتیں ایسی ہیں جو قانون روما کی روح سے بالکل ہی مغائر ہیں،

الف) اولاً فقہ، جسے فقہانے وضع اور مرتب کیا ہے، ایک الٰہیاتی مجموعہ ہے، جس میں قانون، اخلاق، عبادات (دینیات) عام معاملات، سب ہی غیر منفک طور پر ایک دوسرے سے مربوط اور مخلوط ہیں، اس سلسلے میں اسلامی "قانون"[1] کا ذکر کرنا خطرے سے خالی نہیں (اگرچہ یہ کہنا درست ہو گا کہ مختلف مسلمان قوموں کے قانونی ادارات موضوعہ (Institutions juridiques positives) پائے جاتے ہیں) کیونکہ قانون کا تصور فقہاء کے ذہن میں کبھی بھی اس الٰہیاتی مطمح نظر سے (جسے امت اسلامی پر حکمراں رہنا چاہیے) جدا نہیں ہو سکا[2]، ہر فعل، وہ عباداتی ہو یا قانونی، وقت واحد میں ایک اخلاقی اور دینی صفت سے بھی متصف رہتا ہے،

[1] یعنی خالص دنیاوارانہ انسانی ساز احکام دیوانی و فوجداری جن کی اساس میں خدا اور وحی کو کوئی دخل نہ ہو۔ مترجم)

[2] [اسکی تردید میں یہ یاد دلایا جا سکتا ہے کہ فقہا نے کم از کم قانون فوجداری کے اس حصہ کو جو قتل، سرقہ، زنا، شراب نوشی وغیرہ پانچ سات "حدود" سے متعلق ہیں، چھوڑ کر غیر محدود مسائل تعزیر کو امام کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، اور یہ "سیاست شرعیہ" ترمیم و تبدیلی کی اچھی خاصی آزادی ہے۔ مترجم]

یہ سب قانون روما کی روح کے شدید مخالف و متضاد ہے[1]۔ اور جو چیز عجیب ہے وہ یہ ہے کہ اولپین (Ulpien) نے قانون روما کی جو مشہور و معروف تعریف (لاطینی) میں کی ہے، وہ قانون روما سے کہیں زیادہ فقہ پر صادق آتی ہے کہ "علم قانون کے معنی ہیں خدائی نیز انسانی چیزوں کی معرفت"، کیونکہ اس تعریف کے برخلاف، روما میں خالص دنیوی قانون (Jus) اور ہمہ گیر مذہبی قانون (Fas) میں ابتدائی زمانے ہی میں اور ہمیشہ کے لیے تفریق ہو گئی تھی اور ایک عظیم ترقی تھی جو انسانی ذہن نے حاصل کی[2]، یہ ارتقاء مسلمان فقہاء کے ہاں کبھی ہوا ہی نہیں، اور ہو بھی نہیں سکتا تھا، کیونکہ یہ ان کے نظام کی اساس ہی سے تضاد رکھتا تھا،

ب) استنباطات۔ یا مہمل مفروضات میں موشگافی اور اس کی اساس پر معمولی تفصیلوں تک کی بحث، ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ ابتدا ہی سے فقہ کی ممتاز ترین خصوصیتوں میں رہی ہے، اور ہم کو یقین نہیں کہ ایسی کوئی چیز قانونِ روما کی کتابوں یا خود عہد متاخر کے بزنطینی قانون کی کتابوں مثلاً "قوانین شاہی" (Basiliques)[3] میں مل سکے گی، اس (رومی قانون) میں حقائق و واقعات کے ساتھ ربط نہایت عمیق اور مستحکم رہا ہے، اور غالباً یہی چیز ہے جس نے اسے دیرپا قدر و قیمت[4] عطا کی ہے[5]،

[1] دیکھو ایرنگ (Ihering) کی جرمن کتاب "قانون روما کی روح" فرانسیسی ترجمہ جلد اول ص ۲۶۶ تا ۲۷۱، و نیز ص ۱۵ تا ۵۴

[2] [یہ امر دریافت طلب ہے کہ ذہن انسانی کی اس "ترقی" سے انسانیت نے فائدہ زیادہ اٹھایا یا نقصان؟ مترجم]

[3] اس سے مراد اپنی جسٹی نین کے مجموعۂ قوانین کا مرمر یونانی ترجمہ ہے جو ساٹھ کتابوں پر مشتمل تھا، شہنشاہ باسیلیوس (متوفی ۸۸۶ء) اور اسکے بیٹے لیو (متوفی ۹۱۲ء) کے زمانے میں مکمل ہوا، اب صرف جزءً محفوظ ہے۔ مترجم] [4] مؤلف نے اپنے اس حسن ظن کا کوئی ثبوت نہیں دیا، کیا دیرپائی کے معنے ہر روز کی تبدیلی کے ہیں؟ شہنشاہ جسٹی نین (Justinian) کی آئے دن کی من مانی تبدیلیوں سے کون نالاں نہیں؟ مترجم] [5] دیکھو ایرنگ کے ملاحظات (کتاب بالا ج ۱ ص ۴۲ و نیز ص ۵۶ تا ۵۷) موشگافانہ استنباطات کے متعلق ایسے استنباطات جو کمزوری کی علامت ہیں، اسلیے آدمی کو حقائق اور واقعات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اس طرح اب یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہوگا کہ اپنی روح کی حد تک فقہ نے رومی قانون سے کچھ بھی اخذ نہیں کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ جو مادی چیزیں اخذ کی گئیں، ان کی اہمیت کیا رہی ہے؟ مادی اور روحی اجزا جو ہمیں اتنا زیادہ اہم نظر آتا ہے، فاضل بزرگ گولٹ سیہر نے بالکل نہیں کیا ہے، اور غالباً سانتیلانا کی دکھائی ہوئی قربتوں [یا مشابہتوں] سے متاثر ہو کر اس نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مادۂ فقہ میں بے تکلف لکھ مارا کہ "اسلامی قانون سازی کے ماخذ صرف رومی قانون کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتے"۔

اتنی مستند شخصیت (گولٹ سیہر) کے خلاف آواز بلند کرنا خطرے سے خالی نہیں، پھر بھی اس دعوے کے متعلق میں مندرجۂ ذیل ملاحظات پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں،

اولاً یہ کہ گولٹ سیہر نے (جس نے پارسی مسائل کا بذات خود مطالعہ کیا ہے) اس مسئلے [یعنی رومی قانون سے تعلقات] کا خود مطالعہ نہیں کیا، اور اس نظریے کے متعلق اس نے خود اپنی کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے، اور جو مماثلتیں دکھائی گئی ہیں، اگر وہ دس گنی بھی زیادہ ہوتیں، تب بھی کتب فقہ میں حل کیے ہوئے مسائل کے مقابلہ میں دریا میں قطرے سے زیادہ نہیں ہیں، ان حالات میں یہ کیوں نہ خیال کیا جائے کہ اکثر صورتوں میں مماثلت محض اتفاقی ہے، کیونکہ کسی سوال کے ممکنہ حل جو ذہن انسانی میں آسکتے ہیں، وہ محدود ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ مختلف نظام ہائے قانونی یا عبادتی (دینی) ایک ہی حل اختیار کریں،[1]

---

[1] گولٹ سیہر نے پارسیت کے مذہبی اثر کی مثال بطور رد عمل کے دی ہے، یعنی پارسیوں کی توڑ پر عمداً ان کے طرز عمل کے خلاف طریقہ اختیار کیا ہے، میں نہیں کہتا کہ ایسا نہیں ہوا ہوگا، لیکن اگر کسی طرز عمل کے موافق اور مخالف طریقوں کو اثر پڑنے کا کافی ثبوت خیال کیا جا سکتا ہے، تو اوبیاتی یا دلیل انی (a priori) کے طور پر اس طرح اس بات کا امکان دگنا ہو جاتا ہے کہ جو بات محض اتفاقی بھی (باقی ص ۱۸۱ پر)

اور ایسا بارہا پیش آیا ہے، مثلاً سانتیلانا نے مختصر تحلیل (ترجمہ جلد دوم ص ۱۸۰، ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۱) کی ذیل کی عبارت کے متعلق مماثل رومی احکام کا حوالہ دیا ہے: "اکراہ کسی ضرر، مثلاً موت، مار پیٹ یا قید کا ڈر، باندھ دیے جانے یا بیڑیاں پہنا دیے جانے، کسی مردانہ قوت والے آدمی کو سر بازار دھپہ مار دینے، زیر اکراہ شخص کے بیٹے یا اولاد کو موت کی دھمکی دینے، یا اس کی جائداد کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دینے پر مشتمل ہے۔" لیکن اس پر اتفاق رائے نہ ہو سکا کہ اکراہ قرار پانے کے لیے آیا یہ ضرر کہ یہ ضرر شدید بھی ہونا چاہیے یا نہیں،

میری دانست میں، اس کا ہر شخص اعتراف کرے گا کہ اکراہ کی تعریف غیر محدود طریقوں پر نہیں کی جا سکتی، یہ ایک معمولی پامال چیز ہے، اور جو مثالیں دی گئی ہیں وہ عادۃً ہر شخص کے ذہن میں آسکتی ہیں، بجز سر بازار دھپہ مارنے کے، اور واقعہ یہ ہے کہ خاص اس مثال کے متعلق قانون رومی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۰) ہوئی ہو اسے براہ راست اثر قرار دیا جائے، بجز اس کے کہ وہ کوئی بہت ہی چھوٹی ذیلی چیز ہو جو [اسلامی نظام کی اپنی] خصوصیت ہو [اور کسی دوسرے نظام میں اسکے موافق یا مخالف بھی کوئی چیز نہ ملتی ہو]۔ [دلیل انی، گویا "اِن" (اگر ایسا ہو تو) کے مفروضہ سوال کا جواب دیتی ہے۔ مترجم]

ایک فرضی مثال لو اگر مستقبل کے ماہرین علم یہ خیال کرنے لگیں ـــ کہ بیسویں صدی کے پروٹسٹنٹ اسکے پابند تھے کہ مقدس جمعہ (گڈ فرائیڈے) کو گوشت ضرور کھائیں، حالانکہ غذا کے متعلق ان پر کوئی مذہبی پابندی تھی ہی نہیں (جو کہ حقیقت ہی صحیح ہے) مگر چونکہ مقدس جمعہ کے دن گوشت نہ کھانا تمام کیتھلکوں کے ہاں زیر عمل تھا، اس بنا پر مستقبل کے یہ ماہرین یقینی طور پر یہ نتیجہ اخذ کریں کہ پروٹسٹنٹوں نے کیتھلکوں کی توڑ پر اور کیتھلکیت کی مخالفت میں یہ طرز عمل اختیار کیا تھا، اسکے برخلاف پروٹسٹنٹوں کے ہاں طلاق کا وجود اصل میں اس بنا پر ہرگز نہیں ہو کہ وہ باقاعدہ طور پر ہر امر میں رومن کیتھلکوں کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ وہ ایک معاشرتی ادارہ ہے جو اپنی احتیاج کے باعث دنیا میں اچھا خاصا پھیلا ہوا ہے، اور پروٹسٹنٹ مذہب نے کسی طرح بھی اس کی سفارش نہیں کی ہے۔

کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ مسلمان فقہاء نے یہ مثالیں کسی رومی عبارت ہی سے نقل کی ہیں تو اس سے یہ کہاں مترشح ہوتا ہے کہ رومی قانون نے فقہ پر اثر بھی ڈالا ہے (یعنی مثال دینا الگ چیز ہے اور متاثر ہونا اور کسی رومی قاعدے کو قبول کرنا الگ۔ مترجم)

اصل میں اخذ و عاریت قرار دینے سے پہلے ایک دوسری ہی چیز کے ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی۔[1] مثلاً ترکی کا مجموعۂ قانونِ مدنی سوئٹزرلینڈ کے مجموعۂ قانون مدنی کا ترجمہ ہے، اور وہ

---

[1] چند جانشینوں کے متعلق اس کا ثبوت دیدیا گیا ہے کہ فلاں قاعدہ اسلام میں قانون روما سے تعلق پیدا ہونے کے قبل ہی پایا جاتا تھا، اسی کی ایک مثال برگشترسیر Bergstraesser نے جرمن رسالہ دیر اسلام (Der Islam) بابت ۱۹۲۵ء ص ۸۱ میں دی ہے [مولف نے اسکی تفصیل نہیں دی ہے، مترجم برگشترسیر کی محولہ بالا عبارت جرمن سے ترجمہ کرکے یہاں شامل کرتا ہے، رسالہ مذکور کی چودھویں جلد میں ص ۷۶ تا ۸۱ پر "آغاز قانونی کا آغاز اور ان کی خصوصیات اسلام میں" کے عنوان سے ایک مقالہ ہے جس کا اختتام مندرجۂ ذیل الفاظ پر ہوتا ہے: خرید و فروخت سے متعلق بعض معینہ [اسلامی] احکام کو منظم شکل دینے کے سلسلے میں ہم اس رومی تصور سے دوچار ہوتے ہیں quae Pondere numero mensura constant (= ایسی چیز جو وزن، عدد اور کیل یعنی ناپ کی حد تک معلوم ہو) گو یہ قاعدہ خواہ numero کے بغیر ہی کیوں نہ ہو) مشہور تابعی سعید بن المسیب [سنہ ۱۹ تا سنہ ۹۴ھ جو مدینے کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے ایک تھے) کے ہاں مل جاتا ہے۔ اتنے ابتدائی زمانے میں رومی علم کا اثر دینے کے ایک متقی شخص [سعید بن المسیب] پر پڑنے کو تاریخی نقطۂ نظر سے کیسے معقول قرار دیا جا سکتا ہے؟ جبکہ ہر شخص اسی کوشش کرے گا کہ پرانے اسلامی علم قانون کے دوسرے رخ یعنی احکام و قواعد کے ایک نظام کی شکل میں مدون ہونے کو بھی ایک اندرونی (مسلمانوں ہی کی) کوشش سمجھے، جیسا کہ پہلے رخ (یعنی ملک کے موجود الوقت مروجہ [زمانۂ جاہلیت سے چلے آنے والے] احکام کو "مسلمان بنانے" کے متعلق ہوا۔ مترجم۔ یہ اضافہ کرنا چاہتا ہے کہ سعید بن المسیب کی رائے

(باقی ص ۱۸۳ پر)

اپنی سوئٹزرلینڈی اصل سے بہت ہی شاذ صورتوں میں اختلاف کرتا ہے۔ اور یہ مجموعہ واقعی اہم مسائل کے متعلق ہے، اس قانون میں سوئٹزرلینڈ کا اثر ہی نہیں، بلکہ اس کی چوری کہی جا سکتی ہے، اسی طرح البانیا کا مجموعۂ قانون مدنی فرانسیسی اور اطالوی، اور بعض صورتوں میں سوئٹزرلینڈی اور جرمن قوانین سے ماخوذ ہے، اور ان کے احکام کو گڈمڈ کرکے مرتب کیا گیا ہے؟ اس سے مستقبل کے یورپی ماہرین قانون کے لیے یہ ثابت کرنا آسان ہوگا کہ یہ البانوی قانون براہ راست اخذ و عاریت پر مشتمل ہے، اور پوری پوری عبارتیں ترجمہ کرکے نقل کر دی گئی ہیں، صرف بعض نادر واقعات اور مسوخی بیع کے قوانین اس سے الگ ہیں، چنانچہ مستقبل کے ان ماہرین قانون میں سے ایک عربی داں مصری قاعدے سے واقفیت حاصل کرکے یہ ثابت کر سکتا ہے کہ البانوی قانون اصل میں اس مصری حکم کا لفظی ترجمہ ہے، جہاں تک قانون شفعہ کا تعلق ہے، ہم کو یہ کہنے کا حق ہے کہ مسوخیٔ بیع میں البانوی قاعدہ پر مصری قانون سازی کا اثر پڑا ہے، مگر ہمارے علم میں موجودہ حالت میں اس نوعیت کی قطعاً کوئی تحقیقات عمل میں نہیں آئی ہے جو فقہ کے کسی حصے پر رومی قانون کے اثر پڑنے کے متعلق رہی ہو۔[1]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر مبنی تھی، چنانچہ صحیح بخاری کی کتاب ۳۵ باب ۲ میں ہے "من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم" یعنی اگر کوئی شخص کوئی چیز ادھار دے تو اسے معلوم ناپ اور معلوم وزن (مقدار) میں معلوم مدت کے لیے ہونا چاہیے۔]

[1] میں نے شفعہ کی مثال عمداً اس لیے دی ہے کہ بُسّی (Bussi) نے اپنی اطالوی تالیف میں اس سے بحث کی ہے، اور البانوی قانون کے ماخذ بتائے ہیں۔ بسّی کی اس کتاب پر روسینے کی [مذکورۂ صدر] تنقید بھی دیکھی جائے جس میں، عمدہ ملاحظات پیش کیے گئے ہیں، اگرچہ فنی نقطۂ نظر سے وہ ایک بالکل ہی مختلف نوعیت کے ہیں مگر نتیجے کی حد تک ہم دونوں میں اتفاق نظر آتا ہے۔

لیکن، اگر کسی صورت میں اثر پڑا بھی ہو یا اخذ و عاریت عمل میں آئی ہو، تو یہ دیکھنے کی ضرورت ہوگی کہ یہ اخذ و عاریت عمل میں کس طرح آئی، کوئی شخص بھی ساری چیزیں اپنے دماغ سے نہیں نکالا اور نہ نفی محض ہے، فقہائے اسلام بھی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہیں، اگر اخذ و عاریت عمل میں آئی بھی ہے تو ایک چیز یقینی ہے، جو ہمیشہ یقینی رہے گی، وہ یہ کہ فقہاء نے اپنی تعمیر (یعنی فقہ) کو ایک خصوصی ترتیب اور ایک مخصوص ہیئت عطا کی ہے، اور اس بارے میں وہ قانون روما کے ذرا بھی مرہون منت نہیں، فقہ نے اپنی جبلت کے متعلق قانون روما سے کچھ بھی نہیں لیا ہے[1]، (باقی)

---

[1] میں خیال کرتا ہوں کہ اس مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے ادبی مماثلتیں بے سود نہ ہوں گی، مثلاً راسین (Racine) کی تالیف Phedre کا شلر (schiller) نے جرمن میں ترجمہ کیا، اور یہ ترجمہ نہایت "وفادار" اور خاصا عمدہ ہے، لیکن [فرانسیسی] اصل کے مقابلے میں بہت گھٹیا ہے، شلر نے صرف نقل پر اکتفا کیا ہے، مگر راسین کے پیش نظر ایک اور ہی چیز تھی، راسین نے عہد قدیم سے جو چیزیں مستعار لی ہیں، ان سے ہر شخص واقف ہے، لیکن بہرحال اس نے [دوسروں کی چیزیں] حرف بحرف نقل نہیں کی ہیں، حال میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے (دیکھو Revue Universelle مورخہ ۱۵ر اگست ۱۹۳۹ء ص ۴۹۴) کہ راسین کا مشہور جملہ "آریان، میری بہن..." اصل میں گارنیے (Garnier) کی تالیف Hippolite سے مستعار لیا گیا ہے، لیکن یہ قابل ملاحظہ ہے کہ گارنیے کے تین مصرعے راسین نے دو مصرعے بنا ڈالے ہیں: اس طرح دونوں کو ایک ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا، جہاں تک ہمارے موضوع کا تعلق ہے، اس میں نوع اول کی اخذ و عاریت بالکل نہیں پائی جاتی، بلکہ دوسرے نوع کی مثالیں پائی جاتی ہیں یعنی ذیلی تفصیلات کی اخذ و عاریت لیکن ان کو ایک ایسے نظام قانون میں سمویا گیا ہے، جو قانون روما کے نظام سے بالکل ہی مختلف ہے اور یہ ایسے قواعد کے تحت ہوا ہے جو فقہ کی اپنی روح کے مطابق ہیں۔

قدیم و جدید شعراء اور ان کی شاعری
پر
ایک مبسوط تبصرہ

از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی مرحوم

(۴)

بالآخر شعرائے لکھنؤ بھی اس نئے رنگ سے متاثر ہوئے اور لکھنؤ کے متعدد شعراء بھی اسی رنگ میں کہنے لگے، چنانچہ عزیز لکھنوی کہتے ہیں،

کہتے ہیں ریختہ کو جو اس طرز پہ عزیز — کچھ لوگ اور شہر میں ہیں اک ہمیں نہیں

اس جدید طرز نے اردو غزلگوئی میں جو محاسن پیدا کیے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) شعرائے دہلی بالخصوص مومن و غالب کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی غزلوں میں فارسی زبان کی وہ لطیف اور دلآویز ترکیبیں بکثرت استعمال کرتے ہیں، جو متاخرین شعرائے ایران نے پیدا کی تھیں، دور جدید کے غزلگو شعراء نے بھی یہی روش اختیار کی ہے اور صرف تقلید پر قناعت نہیں کی، بلکہ سیکڑوں جدید ترکیبیں بھی پیدا کی ہیں، مثلاً

برق لرزاں ہے کوئی گرم تماشا کیا ہو — حسرت

اک سحر ہے لرزاں کہ تبسم ہے تمھارا — "

اک برق مضطرب ہے کہ اک سحر بے قرار — حسرت

اے یار ترا حسن شرابی — "

اس عشوۂ نازنین کے جلوے ہیں دشمنِ عقل مصلحت کوش — "

پوشیدہ سکونِ یاس میں ہو اک محشرِ اضطراب خاموش — "

تیری نزاکتوں کی اے نازنیں سراپا — "

اب وہی میرے عشق میں ہے کمال جو ترے حسن بے قرار میں تھا — "

کچھ عجب چیز ہو وہ حسن عفیف جو کبھی فتنۂ نظر نہ ہوا — "

تمھارے جودِ بے پروا کو بھی اک دن سنا ناہو — "

وہ بیخودی وہ حزمِ بے خلل گئی — "

مرے اصرارِ مضطر میں نہاں تھی میری مایوسی ترے اقرار آساں سے ترا انکار پیدا ہے — "

تقاضا کر رہا ہے اب یہ حسنِ تازہ کار اُن کا — "

سر اٹھائے بزمِ جاناں میں بھلا کس کی مجال رعب غالب ہے یہ اس کے جلوۂ مغرور کا — "

نہ پوچھو اس شرابی کے خرامِ لاابالی سے — "

شوقِ بے تاب کا انجام تحیر پایا — فانی

گریۂ آتشیں کی داد دے شبِ غم تو کون ہے — "

وہ جام کفر بردر بھر دے کہ مست کر دے — "

آتشِ سیال تھا اب شعلۂ بالیدہ ہے — "

عالم اک مجموعۂ ذرات صحرا بیز ہے — "

تسکین مضطرب کا مداوا نہ کیجئے — جگر

لغزشِ نیم گام نے مارا — جگر

جس کی نگہِ سادہ کے ہم مارے ہوئے ہیں

بندگیِ جنوں ادا، بیخودی ادب سرشت — "

شبنمِ خستہ حال کو حاجتِ بال و پر نہیں — اصغر

حسن ہزار طرز کا ایک جہاں اسیر ہے — "

حسن کے ساتھ ہے بیگانہ نگاہی کا مزہ — "

دونوں عالم تری نیرنگ ادائی کے نثار — "

نالۂ رنگین میں ہم مستوں کے ہر کیفِ شراب — "

(۳) اسی سلسلے میں وہ جدید استعارے اور جدید تشبیہیں بھی داخل ہیں جو دورِ جدید کے غزلگو شعراء نے بہ کثرت پیدا کی ہیں، مثلاً

بنا ہے برق کے تنکوں سے آشیانہ مرا — فانی

یہ خاک برق، فضا، دام، آسماں صیاد — "

دھیان تیرا بہشت شوق سہی — "

میری نگاہِ شوق نے پایا ہے یہ لقب دربانِ آستانۂ دولت سرائے عشق — "

اللہ رے کثرتِ گل و ریحان کہ ان دنوں فردوس ایک پھول ہے دستِ بہار میں — "

تم شامِ شبِ فرقت بے ساختہ آ نکلے یا کفر کے پردے سے ایماں نکل آیا — "

یاد ایام کہ فانی کے سوا تیرا ذکر فتنۂ ہر لبِ آوارۂ ہر گوش نہ تھا — "

خاطرِ مایوس میں نقشِ امیدِ وصل یار نور ہے صحرا میں گویا اک چراغِ دور کا — حسرت

وہ اٹھی موج سے وہ سینۂ بیتاب دھڑک اٹھے اسی کا ایک جزو کشمکش جاں آفریں ہوتا — اصغر

وہ نغمۂ بلبلِ رنگیں نوا اک بار ہو جائے
کلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہو جائے — اصغر

جب تک الٰہی جسم میں جانِ حزیں رہے
نظریں مری جواں رہیں دل حسیں رہے — جگر

کیا وہ نظروں مرے حسنِ تلاطم سمجھے
جس نے دیکھا ہی نہ ہو جلوۂ رقصانی کو — "

اب بھی ہیں تیرے تصور سے وہی ناز و نیاز
وہی اجڑی ہوئی آغوشِ محبت کی قسم — "

جس میں کہ ترے جلوے خود تیرتے پھرتے ہیں
اس خون کا ہر قطرہ کونین کا حاصل ہے — "

(۳) لیکن دور جدید کے غزل گو شعرا نے صرف ان ہی لفظی جدت طرازیوں پر قناعت نہیں کی بلکہ غزل کو حقیقی معنوں میں غزل بنایا، غزل کا اصلی سرمایۂ ناز وہ مضامین ہیں جو انسان کے اندرونی جذبات واحساسات سے تعلق رکھتے ہیں، قدماء کے کلام کا اصلی امتیازی وصف یہی تھا کہ وہ غزل کو ان ہی جذبات واحساسات تک محدود رکھتے تھے، اور معشوق کے ظاہری اعضاء وجوارح کے حسن وجمال کی تعریف سے بہت کم سروکار رکھتے تھے، ولی کہتے ہیں:

ولی شعر میرا سراپا ہے درد
خط وخال کی بات ہے خال خال

ولی کے بعد میر، سودا، درد اور سوز وغیرہ نے بھی یہی روش قائم رکھی، قدماء کے دور میں سب سے پہلے مصحفی، انشاء اور جرأت نے اس روش میں کسی قدر تغیر پیدا کیا، اور خارجی مضامین یعنی خط وخال کے ذکر سے بھی غزل کو آشنا کیا، متوسطین کے دور میں ناسخ و آتش اور ان کے تلامذہ نے اس کو بہت زیادہ ترقی دی اور متاخرین اساتذہ لکھنؤ کے زمانہ تک وہاں کے تمام شعراء زلف وگیسو کے پھندے میں الجھے رہے، لیکن مولانا حالی نے غزل کی اصلاح کا جو طریقہ بتایا کہ

"جہاں تک ہوسکے کوئی لفظ ایسا نہ آنے پائے جس سے کھلم کھلا مطلوب کا مرد یا عورت ہونا پایا جائے۔ مثلاً کلاہ، چہرہ، دستار، قبا، سبزہ، خط، مسیں بھیگنا، زرگر پسر، مطرب پسر، مغبچہ، ترسا بچہ وغیرہ وغیرہ، یا محرم، کرتی، مہندی، چوڑیاں، چوٹی، سوہاگ،

آرسی، جھومر وغیرہ۔"

اس نے صرف یہی نہیں کہ غزل کو بہت سے غیر مہذب اور عریاں مضامین سے پاک کردیا، بلکہ خارجی مضامین کو بھی غزل کی سرزمین سے بالکل نکال کر پھینکدیا، اس کے ساتھ شعرائے دلی میں مومن وغالب کی تقلید نے بھی دور جدید کے غزلگو شعراء کی توجہ کو اندرونی جذبات واحساسات کی طرف مائل کیا، اس لیے ان کی غزل عشق ومحبت کے لطیف وپاکیزہ جذبات کا ایک مرقع بن گئی، ہم اس موقع پر دور جدید کے غزلگو شعراء کے کلام کا ایک معتد بہ حصہ بطور انتخاب کے اس لیے نقل کرتے ہیں تاکہ اس زمانے میں جو لوگ جدید طرز میں غزل لکھتے ہیں، ان کے لیے ایک عمدہ نمونہ ہاتھ آئے،

(فانی)

کم دردِ جگر ہے یا بہت ہے
جو آپ سے مل گیا بہت ہے

تکلیفِ جفا بھی کیوں کریں آپ
احسانِ غم وفا بہت ہے

کیا چاہیے اور زندگی کو
مر رہنے کا آسرا بہت ہے

فانی غمِ ناخدا نہ کرنا
کشتی کو تری خدا بہت ہے

حرم و دیر کی گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں
بزمِ رنداں میں جو شامل نہیں ہونے پاتے

دل تو سب کو تری سرکار سے مل جاتے ہیں
درد جب تک نہ ملے دل نہیں ہونے پاتے

تو کہاں ہے کہ تری راہ میں یہ کعبہ و دیر
نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں ہونے پاتے

خود تجلی کو نہیں اذنِ حضوری فانی
آئینے ان کے مقابل نہیں ہونے پاتے

اک برقِ سرِ طور ہے لہرائی ہوئی سی
دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی

سنتا ہوں جو آتی ہو صدا پردۂ دل سے
امید کی آواز ہو تھرائی ہوئی سی

درپیش ہے پھر مسئلۂ طاقتِ دیدار
پھر کچھ نگہ شوق ہے گھبرائی ہوئی سی

ہر سانس ہے فانی مجھے گویا دمِ آخر / سمجھا ہوں محبت میں قضا آئی ہوئی سی

وعدۂ حشر دور ہے خاکِ دلِ حزیں سہی / مشقِ خرامِ ناز کر واں نہ سہی یہیں سہی

سن تو لیا ہے حالِ دل دیکھیے سن کے کیا کہیں / پھر وہ منہ کی بات ہے کیسی ہی دلنشیں سہی

فانیٔ زار پر کرم تیری رضا کے ہے سپرد / ایک نگاہ اور اگر یہ بھی نہیں نہیں سہی

ہمیں کھوئے گئے تجھ میں نہ جب تیرا پتا پایا / نہ پایا مدعا ہم نے تو گویا مدعا پایا

مرا دردِ نہاں رسوائے اقصائے دو عالم ہے / چھپا کر تو نے جو بخشا وہ میں نے برملا پایا

خیالِ یار بھی کھویا ہوا سا رہتا ہے / اب انکی یاد بھی آتی ہے بھول جانے کو

زمانہ بر سرِ آزار تھا مگر فانی / تڑپ کر ہم نے بھی تڑپا دیا زمانے کو

اس کے سوا نہیں خبرِ آشیاں مجھے / میں تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن میں تھی

لو آج مرگِ فانیٔ بیکس سے مٹ گئی / وہ اک خلش جو خاطرِ اہلِ وطن میں تھی

ارمان نکل جائیں کہ آمد ہے کسی کی / دل ہے کوئی نظارہ گہِ عام نہیں ہے

چہرے پہ بڑھا لیجئے اتنے ہی نقاب اور / ناکام تماشا ابھی ناکام نہیں ہے

وہ گھڑی بھی شبِ بے صبح تجھے یاد ہے جب / میں بھی خاموش ہوا شمع بھی خاموش ہوئی

سامنے آئیں جو ہیں دعویٔ تقوی والے / چشمِ ساقی کی ادا میکدہ بردوش ہوئی

وہمِ ہستی کا بھی احساس نہیں تیرے بغیر / زندگی ہجر میں اب خوابِ فراموش ہوئی

چشمِ ساقی کہ تھی کبھی مخمور / خود ہی آخر شراب ہو کے رہی

حشر کے دن کسی کی ہر بیداد / کرمِ بیحساب ہو کے رہی

کچھ تذکرۂ جنت، کچھ تذکرۂ کوثر / کیا یوں بھی نہیں جائز ذکرِ مے و میخانہ

جو مومن و کافر ہیں وہ دل ہی نہیں رکھتے / دنیائے محبت میں کعبہ ہے نہ بتخانہ

نکوشا یکا نہ مجھے دل کا ہوش تھا / اک جوش تھا کہ محوِ تماشائے جوش تھا

عشق کی دنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی / تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو / پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں

ہاں اے یقینِ وعدہ دامن ترا نہ چھوٹے / یہ آسرا نہ ٹوٹے وہ آئیں یا نہ آئیں

ظرفِ ویرانہ بقدرِ ہمتِ وحشت نہیں / لاؤ ہر ذرے میں پیدا وسعتِ صحرا کریں

وہ یہیں ہیں جو وہ کہیں بھی نہیں / آیئے دل میں جستجو تو کریں

تو کہاں تھی اے اجل اے نامرادوں کی مراد / مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کیے

وہ دیکھ سامنے ہیں نشیب و فرازِ شوق / بڑھ اور دو قدم کہ یہ ایمن وہ طور ہے

اب جفا ہے نہ وفا یار دفا باقی ہے / تھی جہاں شمع وہاں خاک ہے پروانوں کی

اجل بس ایک ہی کانٹا نکال کر جلدی / ٹھہر کہ خارِ تمنا ابھی کھٹکتا ہے

ترکِ تدبیر کو بھی دیکھ لیا / یہ بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی

جل رہے ہیں آج تک دل کے چراغ / طور پر اک شمع جل کر رہ گئی

اللہ رے اعتمادِ محبت کہ آج تک / ہر درد کی دوا ہیں وہ اچھا کیے بغیر

شاید میں درخورِ نگہِ گرم بھی نہیں / بجلی تڑپ رہی ہے مرے آشیاں سے دور

ہاں شبِ ہجر آج صبح نہ ہو / ہاں چلی جائے یادِ زلفِ دراز

جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمیں / اب جان سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا

طوفاں ہی ایک کیا مجھے طوفاں سے کم نہیں / لنگر ہوا سفینہ ہوا ناخدا ہوا

جگر مراد آبادی

ہاں نگاہِ شوق وہ اٹھی نقاب / آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

عاشق خراب مستی، زاہد خراب تمکیں
وہ بھی ترے کرشمے یہ بھی تری ادائیں

اک جام آخری تو پینا ہے اور ساقی
اب دستِ شوق کانپے یا پاؤں لڑکھڑائیں

بیتابیِ محبت وجہِ سکونِ غم ہے
آغوش مضطرب میں خوابیدہ ہیں بلائیں

مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

الٰہی ترکِ محبت بھی کیا محبت ہے
بھلاتے ہیں انھیں وہ یاد آئے جاتے ہیں

کمالِ تشنگی ہی سے بجھا لیتے ہیں پیاس اپنی
اسی تپتے ہوئے صحرا کو ہم دریا سمجھتے ہیں

جسے ہم اپنی محبت کا زخم کہتے ہیں
ترے ہی عارضِ رنگیں کا کوئی پھول نہ ہو

مرے ساقیا مرے ساقیا تجھے مرحبا تجھے مرحبا
تو پلائے جا تو پلائے جا اسی چشم جام بہ جام سے

ترے حسنِ حیات افروز کو دیکھا ہے جس دن سے
بہت مجھکو عزیز اس دن سے اپنی زندگانی ہے

خونِ وفائے بسمل، جرمِ نگاہِ قاتل
ظاہر تو ہر جگہ ہے ثابت نہیں کہیں سے

شباب میکش، جمال میکش، خیال میکش، نگاہ میکش
خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی انھیں خود اپنی خبر نہیں ہے

صبا یہ ان سے ہمارا پیام کہدینا
گئے ہو جب سے یہاں صبح و شام ہی نہ ہوئی

یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے کہتے ہیں جسے حسن
جب دیکھئے کچھ نیند سی آنکھوں میں بھری ہے

ہائے آغازِ محبت کا وہ دورِ سرشار
کونسا اشک تھا جو ساغرِ سرجوش نہ تھا

کٹے گی شبِ غم بڑی راحتوں سے
تری یاد ہوگی ترا دھیان ہوگا

کہاں یہ بار کہاں ہائے نازکیِ جاناں
اٹھا سرا دو جگر خانماں خراب اٹھا

یہ پوچھنا کیا، کتنی وسعت میرے پیمانے میں ہے
سب الٹ دے ساقیا جتنی بھی پیمانے میں ہے

واماندگی کے نالے، بیچارگی کی آہیں
وہ شام کی ہیں رونق یہ زینتِ سحر ہیں

کیوں آسماں سے ملکر اپنا وقار کھوئیں
کیا کم ہے یہ کہ تیرے ہم خاکِ رہگذر ہیں

پوچھی بات بھی اس شوخ کی کافر نگاہوں نے
لیے بیٹھا رہا زاہد متاعِ دین و ایماں کو

کچھ کھٹکتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر
اب خدا جانے تری یاد ہے یا دل میرا

سنیں تو وہ میرا قصۂ غم بنیں تو وہ دردِ دل کے محرم
کرے گا ایک ایک اشکِ حسرت ہزار چشمِ پُر آب پیدا

کہاں کا میخانہ کس کا ساقی، کچھ اور بڑھنے دو بیخودی کو
یہی بنائے گی جام و ساغر یہی کرے گی شراب پیدا

ساقیا توبہ کیے لیتے ہیں
لے گنہگار ہوئے جاتے ہیں

اب کہاں انساں جسے انساں کہیں
چلتی پھرتی دیکھ لو پرچھائیاں

پینے والے ایک ہی دو ہوں تو ہوں
مفت سارا میکدہ بدنام ہے

اصغر گونڈوی

بیٹھا ہے ایک خاک نشیں محوِ بیخودی
کچھ حسن سے غرض ہے نہ پروائے عشق ہے

یہ آستانِ یار ہے صحنِ حرم نہیں
جب رکھدیا ہے سر تو اٹھانا نہ چاہیے

خود آپ اپنی آگ میں جلنے کا لطف ہے
اہلِ تپش کو آتشِ سینا نہ چاہیے

کیا کم ہیں ذوقِ دید کی جلوہ طرازیاں
آنکھوں کو انتظارِ تماشا نہ چاہیے

کیا کیا قیود دہر میں ہیں اہلِ ہوش کے
ایسی فضائے صاف کو زنداں بنا دیا

ہم اس نگاہِ ناز کو سمجھے تھے نیشتر
تم نے تو مسکرا کے رگِ جاں بنا دیا

محو ہے ذوقِ دید بھی جلوۂ حسنِ یار میں
ایک شعاعِ نور ہے اب یہ نظر نظر نہیں

اس کی نگاہِ مہر خود مجھکو اڑا کے لے چلی
شبنمِ خستہ حال کو حاجتِ بال و پر نہیں

یا تو خرد کو ہوش کو مستی و بیخودی سکھا
یا نہ کسی کو ساتھ لے اس کی حریمِ ناز میں

اب نہ کہیں نگاہ ہے، اب نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی جلوہ گاہ میں

لفظ نہیں بیاں نہیں، یہ کوئی داستاں نہیں
شرح و نیاز عاشقی ختم ہے ایک آہ میں

یہ ننگِ عاشقی ہیں سود و حاصل دیکھنے والے
یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے

یہاں تو عمر گذری ہے اسی موج و تلاطم میں
وہ کوئی اور ہوں گے سیرِ ساحل دیکھنے والے

اٹھا رکھا ہے اس نے اپنے جلوے کو قیامت پر
قیامت ہے وہ جلوہ اسکو کیا حاجت قیامت کی

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرۃً آزاد ہوتا ہے

یہاں کوتاہیِ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

شمیمِ گلشن، نسیمِ صحرا، شعاعِ خورشید، موجِ دریا
ہر ایک گرمِ سفر ہے ان میں مرا کوئی ہمسفر نہیں ہے

نظر میں وہ گل سما گیا ہے تمام ہستی پہ چھا گیا ہے
چمن میں ہوں یا قفس میں ہوں مجھے اب اسکی خبر نہیں ہے

میں سر سے پا تک ہوں مے پرستی تمام شورش تمام مستی
کھلا ہے مجھ پر یہ رازِ ہستی کہ مجھ کو کچھ بھی خبر نہیں ہے

ہوا کو موجِ شراب کر دے، فضا کو مست و خراب کر دے
یہ زندگی کو شباب کر دے، نظر تمہاری نظر نہیں ہے

ایک ہی ساغر میں اصغر کھل گئی دل کی گرہ
رازِ ہستی بھی کھلا جاتا ہے دیکھا کیجئے

یہی تھوڑی سی مے ہے اور یہی چھوٹا سا پیمانہ
اسی سے رند رازِ گنبدِ مینا سمجھتے ہیں

دید کیا نظارہ کیا اس کی تجلی گاہ میں
وہ بھی موجِ حسن تھی جس کو نظر سمجھا تھا میں

روزِ روشن یا شبِ مہتاب یا صبحِ چمن
ہم جہاں سے چاہتے وہ روئے زیبا دیکھتے

صد زمان و صد مکان و ایں جہان و آں جہاں
تم نہ آجاتے تو ہم وحشت میں کیا کیا دیکھتے

تجلی چہرۂ زیبا کی ہو کچھ جامِ رنگیں کی
زمیں سے آسماں تک عالمِ انوار ہو جائے

تم اس کافر کا ذوقِ بندگی اب پوچھتے کیا ہو
جسے طاقِ حرم بھی ابروئے خمدار ہو جائے

سحر لائے گی کیا پیغامِ بیداری شبستاں میں
نقابِ رخ الٹ دو خود سحر بیدار ہو جائے

ردائے لالہ و گل پردۂ مہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے

خوشا حوادثِ پیہم، خوشا یہ اشکِ رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

یہ ذوقِ سیر یہ دیدارِ جلوۂ خورشید
بلا سے قطرۂ شبنم کی زندگی کم ہے

کہاں زمان و مکاں پھر کہاں یہ ارض و سما
جہاں تم آئے یہ ساری بساط برہم ہے

غرق ہیں سب علم و حکمت دین و ایماں دیکھئے
کس طرح اٹھتا ہے اک ساغر سے طوفاں دیکھئے

اس طرح بھی کوئی سرگشتہ و برباد نہ ہو
اک فسانہ ہوں جو کچھ یاد ہو کچھ یاد نہ ہو

سیماب اکبر آبادی

جب تو نہیں تو خلوتِ دیر و حرم فضول
اب کیا یہاں پرستشِ دیوار و در کریں

نہ پہنچا میں، مگر منزل پہ میری نعش تو پہونچی
نہ ہو جاں اتنی جس میں وہ شریکِ کارواں کیوں ہو

اڑ رہے ہیں گردِ بربادی میں کچھ اوراقِ دل
ان میں وہ صفحہ نہ ہو جس میں تری تصویر تھی

وہ کثرت ہے تلاطم کی کہ اب جو کچھ ہے دریا ہے
مری کشتی بھی اک موجِ رواں معلوم ہوتی ہے

شکستہ، سرخمیدہ، سوختہ، خاکستر آلودہ
یہی تو میری شاخِ آشیاں معلوم ہوتی ہے

ہوائے شوق کی قوت وہاں لے آئی ہے مجھکو
جہاں منزل بھی گردِ کارواں معلوم ہوتی ہے

ہے ان کے آستاں پہ ہجومِ غرور و ناز
گنجائشِ جبیں ہو تو سجدا کرے کوئی

میں ہی چوکا، میں ہی بھولا، میں ہی جھجکا، ہمنشیں
سچ کہا تو نے کہ شرحِ آرزو مشکل نہ تھی

کعبہ و دیر و کلیسا بھی کنشت و عرش بھی
ساری دنیائے عقیدت تیرے سنگ میں ہے

اٹھا ہوں صبحِ حشر ترے انتظار میں
اچٹی سی ایک نیند بمشکل لیے ہوئے

ورقِ گل ہو کہ آئینہ زارِ شبنم
انھیں ہر رنگ سے آتا ہے نمایاں ہونا

تجھے سجدہ کیا تھا میں نے اک دن جوشِ الفت میں
یہی ہو جائے گا جزوِ عبادت میں نہ سمجھا تھا

ہوئی محسوس صبحِ حشر یہ تعبیر دنیا کی
کہ ہم اک رات جاگے تھے کسی خوابِ پریشاں میں

ہماری بیکسی یارانِ گلشن دیکھتے رہنا
کہ ہم کنجِ قفس سے بے پر و بازو نکلتے ہیں

کتنے دیوانے محبت میں مٹے ہیں سیماب — جمع کی جائے جو خاک انکی تو ویرانہ بنے

اشک حسرت نہ سہی حسرتِ دیدار ہی — کچھ نہ کچھ چشم تمنا سے ٹپکتا ہی رہا

وحشیو پیراہنِ بے آستیں — کم نہیں ہے جامۂ احرام سے

اس قسم کے منتخب اشعار دورِ جدید کے دوسرے غزلگو شعراء کے کلام میں بھی موجود ہیں لیکن اسی کے ساتھ دورِ جدید کے غزلگو شعراء میں جس قدر محاسن ہیں قریب قریب ان ہی کے برابر معائب بھی ہیں، مثلاً

(۱) ان شعراء نے جس قدر لطیف و پاکیزہ استعارے اور تشبیہیں پیدا کی ہیں، اسی قدر لغو، دور از کار اور بھدے استعارے اور تشبیہوں سے اپنے کلام کو بدنما بھی کر دیا ہے، مثلاً

خونِ ناحق کا گلہ تھا کچھ ادب کا جوش تھا — لاش کی صورت زباں بھی تھی اور میں خاموش تھا — فانی

زبان اور لاش میں کوئی وجہ شبہ نہیں اور یہ ایک نہایت کروہ تشبیہ ہے،

نورِ برقِ معرفت بخشا دلِ آگاہ نے — ورنہ پہلے سوزِ غم اک شعلۂ بیہوش تھا "

شعلۂ بیہوش بالکل بےمعنی استعارہ ہے،

اور نہ جانتا ہوں فریبِ نظر کو میں — دیکھوں الٹ کے پردۂ داغِ جگر کو میں "

پردۂ داغِ جگر ایک لغو استعارہ ہے

بالیں پہ آکے نزع کے پردے میں چھیڑ دو — نغمے جو سازِ مرگ میں سوئے ہوئے سے ہیں "

موت اور ساز میں کوئی وجہ شبہ نہیں

جبینِ درد ہے بیتاب سجدہ اے فانی — کدھر ہے خاک ترے دل کے آستانے کی "

جبینِ درد کوئی چیز نہیں،

یہ سایہ بھی اٹھا مرے امید کے سر سے — منہ موڑ لیا آہ نے دنیائے اثر سے "

یہی حال امید کے سر کا بھی ہے،

اٹھا ہاتھ اے تصور فاتحہ کو — یہ دل کی ہے وہ تربت ہے جگر کی — فانی

تصور کے ہاتھ نہ حقیقۃً ہوتا نہ استعارۃً

اے قیسِ نظر حسنِ حقیقت سے خبردار — سایہ ہے اسے صاحبِ محمل نہ سمجھنا — جگر

قیسِ نظر لغو استعارہ ہے،

بھری ہوئی ہیں فضائیں جمالِ غم سے تمام — گناہ گارِ نظر لذتِ عذاب اٹھا "

غم میں حسن و جمال نہیں ہوتا

حسن کے معجزۂ وحدت و کثرت کی قسم — چشمِ حیرت میں ہو سب کچھ سرِ حیرت کی قسم "

سرِ حیرت بالکل بےمعنی استعارہ ہے،

اک نظر دیکھ تو لے پھول کھلے ہیں کیا کیا — ناوکِ غم کی قسم سینۂ حسرت کی قسم — جگر

یہی حال سینۂ حسرت کا بھی ہے،

یہاں تو کام ہے اک نشترِ توجہ سے "

نشترِ توجہ غلط استعارہ ہے، نشتر اور توجہ میں کوئی وجہ شبہ نہیں،

دل لے کے چلے ہو تو لیے جاؤ نظر بھی "

نظر کوئی ساتھ لے جانے کی چیز نہیں،

عشق مرتا نہ اپنی موت سے آہ — عاشقانِ کرام نے مارا "

عشق کا مرنا بالکل بےمعنی استعارہ ہے اور عاشقانِ کرام کا درجہ صحابۂ کرام سے بلند ہو گیا ہے،

اف کر کے وہیں بیٹھ گیا دردِ جگر بھی

دردِ جگر کا اف کر کے بیٹھ جانا بالکل لغو بات ہے،

تمنا ہے نکل کر سامنے بھی عشوہ فرما ہو — کوئی دیتا ہے جنبش پردۂ بیتابیِ جاں کو

پردۂ بیتابیِ جاں لغو استعارہ ہے ،

عالم یہ ہے اک سکون بیتاب — یا عکس ہے میری خامشی کا

سکونِ بیتاب اور عکس خامشی بمعنی استعارے ہیں ،

وہ برقِ رنگ خرمنِ جاں کے لیے کہاں — مانا کہ بوئے گل تو ملے گی گلاب میں

برقِ رنگ غلط استعارہ ہے ،

وہ سراپا حسن ہے نغمۂ بے ساز ہے — چشم حیرت ہے کہ اک فریادِ بے آواز ہے

چشم حیرت اور فریادِ بے آواز میں کوئی وجہ شبہ نہیں ،

سننے والا گوشِ بلبل کے سوا کوئی نہیں — ریشہ ریشہ ان گلوں کا اک صدائے راز ہے

گلوں کے ریشہ کو صدا سے کوئی مناسبت نہیں، یوں بھی گل کیلیے ریشہ کا لفظ مناسب نہیں ،

مے بے رنگ کا سو رنگ سے رسوا ہونا — کبھی میکش کبھی ساقی کبھی مینا ہونا

نمایاں ہونے کے لیے رسوا کے لفظ کا استعارہ صحیح نہیں ،

کیسی پیاری شکل اس پردے میں ہے جلوہ فروز — عشق کو ژولیدہ مو آشفتہ سر سمجھا تھا میں

عشق کا ژولیدہ مو اور آشفتہ سر ہونا بالکل لغو ہے ،

جان ہے محو تجلی چشم و گوش و لب ہیں بند — حسن کو حسن بیاں حسنِ نظر سمجھا تھا میں

حسن کو حسن بیاں اور حسن نظر سمجھنا بمعنی ہے ،

دلہائے پریشاں کی ہے رونق ترے غم سے — اس نور کی جا خاطرِ گیسو میں نہیں ہے

نور سے غم کی تشبیہ اور خاطر گیسو کا استعارہ غلط ہے ،

ہے نازِ حسن سے جو فروزاں جبینِ یار — لبریز آب نور ہے چاہِ ذقن تمام

آبِ نور غلط استعارہ ہے ،

(۲) دور از کار استعاروں اور تشبیہوں کے ساتھ دورِ جدید کے غزلگو شعراء کے کلام میں لفظی اور معنوی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً

سخت نازک تھا مزاجِ دردِ عشق — دل فدائے حسن بے پروا کیا — فانی

"حسن بے پروا" کی ترکیب غلط ہے ، . . . . دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں، "مزاجِ دردِ عشق" کا استعارہ بھی دور از کار ہے ،

جنوں نے دی ہیں راحت دگر نہ اے فانی — نشانۂ الم روزگار ہم بھی ہیں "

پہلے مصرع میں یا تو "دی" کی جگہ "دی ہے" ہونا چاہیے، یا دوسرے مصرع میں "ہیں" کی جگہ "تھے" ہونا چاہیے ،

آسان ہوئی منزل آنا ہو مبارک ہوں — اب پاؤں نہیں اٹھتے اب راہ ہوئی بھاری "

پاؤں کا بھاری ہونا محاورہ ہے، راہ کا بھاری ہونا محاورہ نہیں ،

قسمت کے حرف سجدۂ در سے تو مٹادوں — دل کانپتا ہے شوخیِ تدبیر دیکھکر "

"قسمت کے حرف" غلط ہے، "تقدیر کا لکھا" "نوشتۂ تقدیر" "خط تقدیر" محاورہ ہے ،

ہجر ساقی میں ہماری گھر کی کیفیت نہ پوچھ — بند در، ہر شیشہ خالی، دل بھرا، ساغر کھلا "

دوسرے مصرع میں توازن کے لحاظ سے "ہر" کا لفظ نامناسب ہے، "ساغر کھلا" بمعنی ہے، ساغر میں شراب ہو یا نہ ہو وہ تو ہر حالت میں کھلا رہتا ہے ،

کیا کریں بندگانِ محبوبی — عاشقی کی فدائیاں توبہ — جگر

"فدائیاں" غلط ہے "فداکاریاں" ہونا چاہیے ،

منزل عشق اے خدا کی پناہ — ہر قدم کربلائیاں توبہ

"کربلائیاں" بمعنی چیز ہے،

اس کی غم التفاتیاں ہے ہے — اپنی بے اعتنائیاں توبہ — جگر

غم التفاتی بمعنی ترکیب ہے،

ایک نظر ہو کر آنکھوں میں کھنچ آتا ہے — ایک دنیا ہو کر روپوش ہوئی جاتی ہے ،،

جذبۂ شوق محبت کہ اڑا جاتا ہے — فطرتِ حسن کہ آغوش ہوئی جاتی ہے

بال کھولے ہوئے یہ کون چلا آتا ہے — بزمِ دل محشرِ خاموش ہوئی جاتی ہے

ان مصرعوں میں باہم کوئی ربط و تناسب نہیں ،

کرشمے ہیں حسنِ بے جہت کے فسوں ہیں چشمِ مناسبت کے — ادھر سے دیکھو تو آرہے ہیں اُدھر سے دیکھو تو جا رہے ہیں

"چشمِ مناسبت" بمعنی ترکیب ہے ،

ان کو اپنی شانِ رحمت پر غرور — مجھکو اپنی بے بسی پر ناز ہے ،،

رحمت اور بے بسی میں کوئی ربط نہیں، رحمت کو گناہوں سے تعلق ہے ،

اس عشق ہرزہ کار سے ہوتا ہی کیا مگر — اک کیفِ مستقل کو رگِ جاں بنا دیا ،،

"کیفِ مستقل" اور رگِ جاں میں کوئی مناسبت نہیں

جگر کی خاک ہی تو سرمۂ چشم دو عالم ہو — میسر ہو جسے صرفِ جمالِ یار ہو جانا ،،

خاک کا صرفِ جمالِ یار ہونا بالکل بےمعنی ہے ۔

اس دن بھی میری روح تھی محوِ نشاطِ دید — موسیٰ الجھ گئے تھے سوال و جواب میں — اصغر

دوسرے مصرع میں توازن و تناسب کے لحاظ سے یوں ہونا چاہیے کہ "جس دن موسیٰ الجھے ہوئے تھے سوال و جواب میں"

اس رخ پہ ہے نظر کبھی جامِ شراب پر — آیا کہاں سے نورِ شبِ ماہتاب میں — اصغر

مطلب یہ ہے کہ شب ماہتاب میں جو نور ہے وہ یا تو اس رخ کا پرتو ہے یا جامِ شراب کا، اس لیے میں کبھی اس رخ کو دیکھتا ہوں کبھی جامِ شراب کو، تاکہ یقین ہو جائے کہ شب ماہتاب میں جو نور آیا ہے وہ کس کا نور ہے، لیکن الفاظ سے یہ مطلب واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتا اس کے علاوہ نظر کو جامِ شراب پر ہونا چاہیے، محاورہ بھی یہی ہے اور پہلے مصرع کا توازن بھی یہی چاہتا ہے،

بلبل بہ آہ و نالہ و گل مست رنگ و بو — مجھکو شہید رسمِ گلستاں بنا دیا — اصغر

پہلے مصرع کے دونوں جملوں میں توازن نہیں، یوں ہونا چاہیے کہ "بلبل بہ آہ و نالہ و گل بہ رنگ و بو"

اس فضائے تیرہ کو گرم کر منور کر — داغِ دل نہیں کھلتا دیکھنے دکھانے سے ،،

"داغِ دل نہیں کھلتا" کوئی محاورہ نہیں ،

سرو بھی، جوئبار بھی، لالہ و گل، بہار بھی — جس سے چمن چمن بنا ایک وہ مشت پر نہیں

پہلے مصرع کے الفاظ میں کوئی توازن نہیں، سرو، جوئبار، بہار سب مفرد الفاظ آئے ہیں، اس لیے توازن کا اقتضا یہ تھا کہ صرف لالہ یا گل کا مفرد لفظ لایا جائے اور اس کے بعد بھی کا لفظ بھی ہوتا،

اب نہ وہ قیل و قال ہی اب نہ وہ ذوق و حال ہے — میرا مقام ہے وہاں میرا جہاں گذر نہیں ،،

دوسرا مصرع یوں ہونا چاہیے "میرا بھی جہاں گذر نہیں"،

موجِ نسیم صبح میں بوئے صنم کدہ بھی ہے — اور بھی جان پڑ گئی کیفیتِ نماز میں ،،

صنم کدہ میں حقیقۃً و استعارۃً کوئی بو نہیں ہوتی، اور اگر ہو بھی تو نماز کے لیے سحر کی قید ہونا چاہیے۔

رازِ فتادگی نہ پوچھ لذتِ خستگی نہ پوچھ ۔۔۔ ورنہ ہزار جبرئیل چھپ گئے گردِ راہ میں ۔۔۔ ہنر

جبرئیل کو فتادگی، خستگی اور گردِ راہ سے کوئی مناسبت نہیں، وہ اڑتے ہیں، چلتے نہیں، اگر جبرئیل کی جگہ خضر ہوتا تو مناسبت پیدا ہو جاتی،

تماشا ہے نیاز و نازکی باہم کشاکش کا ۔۔۔ میں ان کا دل سمجھتا ہوں وہ میرا دل سمجھتے ہیں ۔۔۔ "

دل سمجھنا کوئی محاورہ نہیں،

ازل میں اک تجلی سے ہوئی تھی بیخودی طاری ۔۔۔ تمھیں کو میں نے دیکھا تھا کچھ ایسا یاد آتا ہے ۔۔۔ "

"کچھ ایسا یاد پڑتا ہے" محاورہ ہے،

یہ سب نا آشنائے لذتِ پرواز ہیں شاید ۔۔۔ اسیروں میں ابھی تک شکوۂ صیاد ہوتا ہے ۔۔۔ "

اسیر تو اسی وقت شکوۂ صیاد کر سکتے ہیں کہ جب وہ آشنائے لذتِ پرواز ہوں کہ صیاد نے ان کو قید کر کے لذتِ پرواز سے محروم کر دیا، لیکن اگر وہ لذت سے واقف ہی نہیں تو ان کو پھر صیاد کا کیا گلہ؟

محو ہو کر رہ گئی جو ہے وہی راہِ طریق ۔۔۔ جو قدم مستانہ پڑتا ہے وہی منزل میں ہے ۔۔۔ "

مطلب یہ ہے کہ جو راہ مٹ گئی وہی راہ طریق ہے، لیکن "محو ہو کر رہ گئی جو" سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو بیخود ہو گئی از خود رفتہ ہو گئی وہ راہ طریق ہے،

بس اک سکوت سا ہے طاری حرم نشینوں پر ۔۔۔ صنم کدے میں تجلی ہے اور بہم ہے ۔۔۔ "

تجلی کا ضد تیرگی ہے سکوت نہیں ہے،

اب آرزوئے شوق کی بیباکیاں کہاں ۔۔۔ یعنی وہ سب ملازمِ عہدِ شباب تھا ۔۔۔ حسرت

ملازمِ عہدِ شباب نو ترکیب ہے، کہنا یہ تھا کہ آرزوئے شوق کی بیباکیاں عہدِ شباب کے لوازم میں تھیں لیکن اس کو بری طرح ادا کیا گیا ہے،

کچھ درد دل سی بڑھ کے ہے دردِ جگر عزیز ۔۔۔ تجھ سے ہیں جتنے درد وہ سب ہیں مگر لذیذ ۔۔۔ حسرت

مطلب یہ ہے کہ تجھ سے جس قدر درد ملے ہیں وہ سب لذیذ ہیں، لیکن اس کے لیے اردو میں یہ محاورہ نہیں ہے کہ "تجھ سے ہیں جتنے درد"

حسرتیں وقفِ طرب ہیں آرزو محوِ سرور ۔۔۔ بخت نے کھولا ہے در دے شوق پر بابِ نشاط

توازن کے لحاظ سے "آرزوئیں" ہونا چاہیے،

فکر کونین سے نجات ملی ۔۔۔ قیدی عشق رستگار ہوئے

قیدی عشق رہا ہوئے ہونا چاہیے،

میں جو مٹتا ہوں تو مٹتا ہے ترے عشق کا نام ۔۔۔ فیصلہ بس مری تقدیر کا آسان رہا

"بس" کا لفظ غزل میں نہایت بدنما معلوم ہوتا ہے،

(باقی)

فارابی کی منطق

از

جناب شبیر احمد صاحب غوری ایم اے، ایل ایل بی، بی ٹی ایچ رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی

(۵)

پیروان ارسطو کا مدرسہ — اسکندریہ کا مدرسہ فلسفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے عہد خلافت (۹۹-۱۰۱ھ) میں انطاکیہ میں منتقل ہوا، وہاں سے متوکل کے زمانہ (۲۳۲-۲۴۷ھ) میں حران میں آیا اور آخر کار دار الخلافہ بغداد میں منتقل ہوا، اس کے اسباب مسعودی "فنون المعارف وما جری فی الدہور السوالف" میں بیان کیے تھے، مگر یہ کتاب ناپید ہے، مگر اس کا حوالہ اس نے "التنبیہ والاشراف" میں دیا ہے:

وقد ذکرنا فی کتاب فنون المعارف وماجری فی الدهور السوالف ... السبب نقل التعلیم فی ایام عمر بن عبد العزیز من الاسکندریة الی انطاکیه ثم انتقاله الی حران فی ایام المتوکل وانتهی ذلك فی ایام المعتضد الی قویری ویوحنا بن حیلان وکانت وفاته بمدینة السلام فی ایام المقتدر، وابراهیم المروزی ثم الی محمد بن کرنیب وابی بشر متی بن یونس تلمیذ ابی ابراهیم المروزی وعلی شرح متی لکتب ارسطوطالیس المنطقیة یعول الناس فی وقتنا هذا وکانت وفاته ببغداد فی خلافة الراضی۔ ثم الی ابی نصر محمد بن محمد الفارابی تلمیذ یوحنا بن حیلان وکانت وفاته بدمشق فی رجب سنة ۳۳۹ ولا اعلم فی هذا الوقت احداً یرجع الیه فی ذلك الا رجلاً واحداً من النصاری یعرف بابی زکریا بن عدی[۱]

ہم نے کتاب فنون المعارف وما جری فی الدہور السوالف میں ذکر کیا ہے ..... کہ کسی وجہ سے فلسفہ کی تعلیم کا مرکز حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے زمانہ میں اسکندریہ سے انطاکیہ میں منتقل ہوا، پھر متوکل کے زمانہ میں حران میں کیوں منتقل ہوا یہاں تک کہ معتضد کے زمانہ میں فلسفہ کی ریاست قویری، یوحنا بن حیلان اور ابراہیم مروزی پر ختم ہوگئی اور یوحنا نے بغداد میں مقتدر کے عہد حکومت میں وفات پائی پھر محمد بن کرنیب اور ابی بشر متی بن یونس پر جو دونوں ابراہیم مروزی کے شاگرد تھے، یہ ریاست ختم ہوئی، اور آج کل ہمارے زمانہ میں لوگ متی کی کتابوں پر جن میں اس نے ارسطو کی کتابوں کی شرح کی ہے اعتماد کرتے ہیں، متی نے بغداد میں راضی کے زمانہ خلافت میں وفات پائی، پھر یہ ریاست ابونصر محمد بن محمد الفارابی پر ختم ہوئی جو یوحنا بن حیلان کا شاگرد تھا، اور جس نے رجب ۳۳۹ھ میں دمشق میں وفات پائی، اور اس وقت میں کسی شخص ابی زکریا بن عدی کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا جس سے لوگ علوم فلسفہ میں رجوع کرتے ہوں،

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابن ابی اصیبعہ نے خود فارابی سے کی ہے۔

انتقل التعلیم من الاسکندریة الی انطاکیة وبقی بها زمنا طویلا

مجلس تعلیم اسکندریہ سے انطاکیہ میں منتقل ہوئی اور وہاں عرصہ دراز تک رہی، یہاں تک کہ

[۱] کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی ص ۱۲۲

الی ان بقی معلم واحد فتعلم
منه رجلان وخرجا و معهما
الکتب فکان احدهما من اهل
حران والآخر من اهل مرو فاما
الذی من اهل مرو فتعلم منه
رجلان: احدهما ابراهیم
المروزی والآخر یوحنا بن حیلان
وتعلم من الحرانی اسرائیل
الاسقف وقویری وسارا الی
بغداد فتشاغل اسرائیل بالدین
واخذ قویری فی التعلیم واما
یوحنا بن حیلان فانه تشاغل
ایضا بدینه وانحدر ابراهیم
المروزی الی بغداد فاقام
بها وتعلم من المروزی متی بن
یونان وکان الذی یتعلم فی
ذلک الوقت الی آخر الاشکال
الوجودیة وقال ابونصر الفارابی
عن نفسه انه تعلم من یوحنا بن

وہاں صرف ایک ہی معلم فلسفہ رہ گیا اس سے
دو شخصوں نے پڑھا اور یہ دونوں وہاں سے
کتابیں لیکر نکلے، ان میں سے ایک حرانی تھا،
اور دوسرا مرو کا، مرو کے باشندے سے دو شخصوں
نے پڑھا، ان میں سے ایک ابراہیم مروزی تھا
اور دوسرا یوحنا بن حیلان، حرانی سے اسرائیل
الاسقف اور قویری نے پڑھا، اور وہ
دونوں بغداد گئے جہاں اسرائیل نے تو
مذہبی پیشوائی اختیار کی اور قویری نے
فلسفہ پڑھانا شروع کیا، رہا یوحنا بن حیلان
تو وہ بھی مذہبی پیشوائی میں مشغول ہو گیا
اور ابراہیم مروزی نے بھی بغداد جا کر
اقامت اختیار کر لی، مروزی سے متی بن
یونان نے پڑھا، اس زمانہ میں صرف
اشکال وجودیہ کے آخر تک پڑھایا جاتا تھا۔
ابونصر فارابی نے اپنے متعلق کہا ہے کہ
اس نے یوحنا بن حیلان سے کتاب البرہان
کے آخر تک پڑھا تھا، اشکال وجودیہ
کے بعد کا حصہ "الجزء الذی لا یتجزا"

حیلان الی آخر کتاب البرهان وکان
یسمی بعد الاشکال الوجودیة
الجزء الذی لا یتجزی الی ان قرء
وصار الرسم بعد ذلک حیث
صار الی معلمی المسلمین ان یقرء
من الاشکال الوجودیة الی
حیث قدر الانسان ان یقرء
فقال ابونصر انه قرأ الی آخر
کتاب البرهان[1]

(ممنوع التعلیم حصہ) کہلاتا تھا، پھر یہ حصہ بھی
پڑھا جانے لگا اور اس کے بعد فلسفہ کے
مسلمان اساتذہ میں رسم ہو گئی کہ اشکال
وجودیہ کے بعد سے جہاں تک طالب علم
پڑھ سکے پڑھاتے، چنانچہ ابونصر نے کہا ہے
کہ میں نے کتاب البرہان کے آخر تک
پڑھا تھا،

غرض اسکندریہ سے مجلس تعلیم (مدرسہ فلسفہ) سنہ ۱۰۰ء کے قریب انطاکیہ میں منتقل ہوئی، جہاں وہ تقریباً ایک سو چالیس سال رہی لیکن اس کے اساتذہ و تلامذہ کے نام پردۂ گمنامی میں مستور ہیں، صرف اتنا معلوم ہے کہ آخر میں اس مدرسہ میں صرف ایک استاد رہ گیا تھا جس سے دو شاگردوں نے پڑھا، ان میں سے ایک حران کا باشندہ تھا، اور دوسرا مرو کا، چونکہ حران قدیم زمانہ سے سریانی بولنے والے علاقے میں یونانی ثقافت کا اہم مرکز رہا تھا، اور یہاں کے باشندوں کو جن کی اکثریت بت پرست تھی، ان کے نصرانی ہمسایے بنظر حقارت دیکھتے تھے، اور ان کے شہر کو مدینۃ الیونانیین (Helinopolis) کہتے تھے، اس لیے غالباً آخری انطاکی استاد کے ختم ہونے پر اس کے دونوں شاگرد مدرسۂ انطاکیہ کو اس کی لائبریری سمیت حران لے آئے۔ لیکن یہ مدرسہ حران میں چالیس سال سے زیادہ نہ رہ سکا کیونکہ دارالخلافہ کی کشش نے یہاں

[1] طبقات الاطباء جلد دوم ص ۱۳۵

کے تلامذہ کو ایک ایک کرکے بغداد میں کھینچ لیا، ان اساتذہ کے شاگردوں میں چار بہت مشہور ہوئے، حرانی استاد کے دو شاگرد تھے ان میں سے اسرائیل نے تو مذہبی پیشوائی اختیار کی، البتہ قویری نے منطق و فلسفہ کی تعلیم و تدریس کو جاری رکھا، مروزی استاد کے بھی دو شاگرد تھے، ابراہیم مروزی اور یوحنا ابن حیلان، یہ چاروں شاگرد انجام کار بغداد پہونچے، فارابی سے پہلے بغداد کے ان مشائی فلاسفہ کو مسعودی نے تین طبقوں میں منقسم کیا ہے: پہلا طبقہ قویری، ابراہیم مروزی اور یوحنا ابن حیلان پر مشتمل ہے۔

ابو اسحٰق ابراہیم قویری: منطق کے معتمد علیہ اساتذہ میں سے تھا، اس نے ارسطا طالیسی منطق کی کتب اربعہ کی تفسیر لکھی، ابن الندیم کہتا ہے

اسمہ ابراھیم ویکنی ابا اسحٰق	اس کا نام ابراہیم اور کنیت ابو اسحٰق تھی،
ممن اخذ عنہ علم المنطق	منطق کا مسلم الثبوت استاد اور ارسطو
وکان مفسرا وعلیہ قرأ ابو بشر	کی کتابوں کا شارح تھا، اس سے ابو بشر متی
متی بن یونس[1]	ابن یونس نے پڑھا تھا،

قویری نے منطق میں حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں،

تفسیر قاطیغوریاس مشجر

کتاب باری ارمینیاس مشجر۔ ابن ندیم نے "الکلام علی باری ارمینیاس" کے تحت میں اس کتاب کے مفسروں میں قویری کا بھی نام لیا ہے،

کتاب انالوطیقا الاولی مشجر۔ ابن ندیم نے "الکلام انالوطیقا" کے تحت میں لکھا ہے

"وفسر قویری الی الثلاثۃ الاشکال ایضاً"

کتاب انالوطیقا الثانی مشجر۔

---

[1] الفہرست ص ۳۶۷

تفسیر سوفسطیقا: ابن الندیم نے "الکلام علی سوفسطیقا" کے ضمن میں لکھا ہے، "فسر قویری ہذا الکتاب"

یوحنا بن حیلان: فارابی کا استاد تھا، غالباً وہ فارابی کے بغداد آنے سے قبل ہی وہاں آچکا تھا، کیونکہ جب فارابی عراق میں آیا، تو بغداد ہی میں متوطن ہوا، اور وہیں اس نے یوحنا بن حیلان سے تعلیم حاصل کی۔ ابن القفطی فارابی کے متعلق لکھتا ہے:

دخل العراق واستوطن بغداد	فارابی عراق آیا اور بغداد میں متوطن ہوگیا
وقرأ بھا العلم الحکمی علی یوحنا بن	اور وہیں اس نے علوم حکمت کی تحصیل یوحنا
حیلان [حیلان] المتوفی بمدینۃ	ابن حیلان سے کی جس نے بغداد میں مقتدر باللہ
السلام فی ایام المقتدر[1]	(۲۹۵-۳۲۰) کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

یوحنا بن حیلان نے رسم قدیم کے برخلاف فارابی کو انالوطیقا کے علاوہ کتاب البرہان کی بھی تعلیم دی تھی، مگر کسی مورخ نے یوحنا بن حیلان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔

ابو یحیٰی المروزی: ابو بشر متی کا استاد تھا، مگر اس نے عربی میں منطق پر کچھ نہیں لکھا، جو کچھ لکھا صرف سریانی ہی میں لکھا، ابن الندیم کہتا ہے:

وجمیع مالہ فی المنطق وغیرہ	ابو یحیٰی مروزی نے منطق وغیرہ میں جو کچھ
بالسریانیۃ۔[2]	لکھا ہے سریانی زبان میں ہے،

لیکن "الکلام علی ابو دیقطیقا" کے ضمن میں لکھتا ہے،

ولابی یحیٰی المروزی الذی	اور ابو یحیٰی مروزی نے جس سے متی بن یونس
قرأ علیہ متی کلام فیہ[3]	نے پڑھا تھا، اس کتاب میں کلام کیا ہے،

غالباً ابو یحیٰی مروزی نے انالوطیقا الثانی یا اس کی شرح از یحیٰی النحوی کے متعلق کچھ قیل قال کی

---

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۱۸۲ [2] الفہرست ص ۳۶۸ [3] ایضاً ص ۳۴۸

ہو گی جو یا تو سریانی زبان میں ہو گی یا اگر عربی میں تھی تو ابن الندیم اسے کتاب نہیں سمجھتا،

دوسرے طبقہ میں مسعودی ابو یحیی، ابراہیم المروزی کے شاگردوں یعنی ابن کرنیب اور ابو بشر متی بن یونس کو شمار کرتا ہے،

ابن کرنیب: ابو احمد حسین بن ابی الحسین المعروف با بن کرنیب کے بارے میں ابن الندیم لکھتا ہے[1]:

کان من جلة المتکلمین ویذهب	اکابر متکلمین میں سے تھا اور فلاسفہ طبیعین
مذهب الفلاسفة الطبیعیین ...	کے مذہب کا پیرو تھا۔ قدیم طبیعی علوم
کان فی نهایة الفضل والمعرفة	میں انتہا درجہ کا فضل و کمال اور وسیع
والاضطلاع بالعلوم الطبیعیة القدیمة[1]	معلومات رکھتا تھا،

ابن کرنیب ابو یحیی مروزی کا شاگرد تھا، وہ پہلا مسلمان ہے جو منطق کے سلسلہ میں استاد کی مسند پر بیٹھا، ابن الندیم نے منطق میں اس کی ایک تصنیف بتائی ہے،

"کتاب مقالة فی الاجناس والانواع وهی الامور العامیة"[2]

متی بن یونان: دیر قنی کا رہنے والا تھا، اور مرماری کے "اسکول" (مذہبی مدرسہ) میں تعلیم پائی تھی، وہ ابو یحیی مروزی کا شاگرد رشید تھا، ابو یحیی کے علاوہ اس نے حسب تصریح ابن الندیم روفیل، بنیامین اور ابو احمد بن کرنیب سے بھی تعلیم پائی تھی،[3] ابو سلیمان سجستانی نے لکھا ہے کہ متی نے ایساغوجی ایک نصرانی استاد سے پڑھی تھی، قاطیغوریاس اور باری ارمینیاس روفیل سے اور کتاب القیاس (انالوطیقا الاولی) ابو یحیی مروزی سے[4]، حسب تصریح ابن ابی اصیبعہ اس نے بغداد میں ۳۲۸ھ میں وفات پائی[5]، مسعودی نے لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں رئیس المنطقیین تھا، اس کی تائید ابن الندیم نے بھی کی ہے، وہ کہتا ہے" والیه انتهت ریاسة المنطقیین

[1] الفہرست ص ۲۶۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۲۶۸ [4] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۵ [5] ایضاً ج ۱ ص ۲۳۵

فی عصره" (اس کے زمانہ میں منطق کی ریاست اس پر ختم تھی)، ابن خلکان تو یہاں تک کہتا ہے کہ فارابی بھی متی بن یونس کے حلقۂ درس میں شریک ہوا تھا، اگرچہ یہ روایت محل نظر ہے، اس کی تنقیح فارابی کے سلسلے میں آئے گی،

بہرحال منطق میں ابو بشر متی کی ریاست اس کے زمانہ میں مسلم تھی، چنانچہ جب منطقیوں اور نحویوں کے مناظرے ہوتے تھے، تو رئیس المنطقیین کی حیثیت سے ابو بشر متی ہی بلایا جاتا تھا، اس قسم کے ایک مناظرے کی تفصیل یاقوت نے معجم الادبا میں ابو حیان توحیدی سے نقل کی ہے کہ ۳۲۰ھ میں وزیر فضل بن الفرات نے اپنے مکان پر نحو اور منطق کی افضلیت کے مسئلے میں ایک مجلس مناظرہ منعقد کی تھی، جس میں مشہور معتزلی متکلم خالدی، کاتب شہیر قدامہ بن جعفر اور ابن ابی بشر وغیرہ شریک ہوئے تھے، یاقوت نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ متی یونانی نہیں جانتا تھا، صرف سریانی تراجم سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا[6]، بہرحال ابو بشر متی نے مندرجۂ ذیل کتابوں کا ترجمہ کیا تھا،

(۱) کتاب البرہان (۲) کتاب سوفسطیقا (۳) کتاب الشعرا (ابوطیقا)

ان کے علاوہ مندرجۂ ذیل کتابوں کی اس نے شرح و تفسیر کی تھی،

(۱) قاطیغوریاس (۲) باری ارمینیاس (۳) انالوطیقا (۴) ابو دیقطیقا (۵) طوبیقا (صرف مقالہ اولی) (۶) کتاب ایساغوجی لفرفوریوس وهو المدخل الی المنطق۔ مندرجۂ ذیل کتابیں بھی اس کی تصانیف ہیں،

ترجمہ کتاب تفسیر الثلاث مقالات الاواخر من تفسیر ثامسطیوس راکس ایرہوت نے اسے انالوطیقا الاولی کے آخری تین مقالوں کی تفسیر ثامسطیوس کا ترجمہ قرار دیا ہے[1]

کتاب نقل اعتبار الحکم وتعقب المواضع لثامسطیوس،

[1] التراث الیونانی فی الحضارة الاسلامیة للدکتور عبد الرحمن البدوی ص ۷۰ [6] معجم الادبا جلد ۳ ص ۱۰۸

مقالہ فی مقدمات صدر بہا کتاب انالوطیقا

کتاب المقائیس الشرطیہ

مسعودی کے زمانہ (۳۴۲ھ جو کتاب التنبیہ والاشراف کا سال تصنیف ہے) میں ابو بشر متی ہی کی شروح ارسطو پر اعتماد کیا جاتا تھا، چنانچہ وہ کہتا ہے۔

وعلی شرح متی تکتب ارسطاطالیس یعول الناس فی وقتنا ھذا[1]

ابو بشر متی نے جو ارسطو کی کتابوں کی شروح لکھی ہیں، ہمارے زمانہ میں ان ہی پر لوگ اعتماد کرتے ہیں۔

تیسرے طبقہ میں مسعودی ابونصر فارابی کو محسوب کرتا ہے اور چوتھے طبقے میں ابو زکریا یحیی بن عدی کو، مگر یحیی بن عدی کا زمانہ ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے، البتہ فارابی کی منطقی خدمات پر جو اس مقالے کی نگارش کا اصل مقصد ہے، آیندہ تفصیلی نظر ڈالی جائے گی،

(باقی)

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۲۲۔

لندن کے بعض عجائبات

از لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب

ذیل کا مراسلہ جہلم (پاکستان) کے ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید لفٹنٹ کرنل کے قلم سے صدق کے لیے موصول ہوا تھا لیکن اس کے مضمون و مفہوم کے لحاظ سے معارف اس کا زیادہ حقدار نظر آیا، اس لیے بسرت اس کی طرف منتقل کیے دیتا ہوں۔ [عبد الماجد]

اس مرتبہ لندن کے کچھ عجائبات کا ذکر کرتا ہوں، دو چار باتیں ذہن میں محفوظ ہیں، شاید کار آمد ثابت ہوں، گذشتہ مئی کے ٹائمز (امریکن) میں ایک معرکہ مضمون چینی آرٹ سے متعلق شائع ہوا تھا آپ نے ضرور دیکھا ہوگا۔ اس مضمون میں دو ظروف کی تصویریں تھیں اور باقی مناظر کی یہ تصویریں دیکھ کر میں نے ٹائمز والوں کو خط لکھا کہ اس میں دو تصویریں مسلمان مصوروں کی بنی ہوئی ہیں اور ایک ظرف بھی اسلامی ساخت کی نشان دہی کرتا ہے۔ دوسرے ظرف کو انھوں نے خود اسلامی بتایا تھا۔ یہ تمام آرٹ پندرھویں صدی عیسوی سے متعلق اور چین کے مشہور خاندان منگ (MIN GDYNASTY) کے زمانے کا تھا۔ میرا خط ان لوگوں نے اپنے ایک ماہر کے پاس بھیجا جس نے مجھے مفصل جواب دیا کہ میرا قیاس بالکل درست ہے اور اس زمانے میں چین میں دنیائے اسلام سے بہت آرٹسٹ درآمد کئے گئے تھے، ممکن ہے کہ یہ ان ہی کے شاہکار ہوں۔ اب جو میں لندن کے عجائب گھروں کی سیر کو گیا تو مجھے اسی خاندان کے بے شمار شاہکار دیکھنے میں آئے چنانچہ البرٹ وکٹوریہ میوزیم کے سیرامک (Ceramic) سکشن میں میں نے ایک چینی کا برتن دیکھا، یہ چنگ ہوا خاندان (۱۴۶۵-۸۷ء) کا شاہکار تھا وہی زمانہ ہے۔ میری حیرت کی انتہا نہ تھی جب میں اس پر کلمہ طیبہ پڑھا تعجب ہے کہ

یہ الفاظ پاک ان لوگوں سے پڑھے نہیں گئے۔ میں نے اجازت لیکر اس کا فوٹو لے لیا ہے انشاء اللہ تعالی
کسی وقت اس موضوع پر ایک مقالہ ترتیب دونگا۔ اسلامی کلچر کے متعلق یہاں کے عجائب گھروں میں
لاتعداد سامان ہے۔ شاید پہلے بھی میں عرض کرچکا ہوں کہ یہاں کے بازاروں میں اسقدر سامان ہماری
تہذیب سے متعلق بکھرا پڑا ہے کہ اس سے کئی عجائب خانے ترتیب دیئے جاسکتے ہیں۔

یہی حال یہاں کتابوں کا ہے۔ میں نے اچھی اچھی تمام دوکانیں گھوم ڈالیں ہر دوکان ایک
لائبریری ہے۔ ان میں بعض دفعہ تو بڑی عمدہ کتاب ہاتھ لگ جاتی ہے۔ مگر قیمتیں زیادہ ہیں۔ گو بہت
زیادہ غالباً اپنے پاس روپے کی قلت کیوجہ سے زیادہ معلوم ہوتی ہیں ورنہ اگر صرف جلد ہی اس قسم کی
بنوائی جائے تو بیس پچیس روپے لگ جائینگے۔ ہمارے یہاں ایسی جلدیں بنتی ہی نہیں ہیں ان میں
سے چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں جو میں سمجھتا ہوں اچھی ہاتھ لگ گئی ہیں۔

۱۔ تاریخ جبرالٹر مصنفہ کپتان سیر (Sayer) مطبوعہ لندن ۱۸۶۲ء یہ کتاب دیکھکر مجھے پہلی
مرتبہ معلوم ہوا کہ طارق ابن زیاد سے پہلے مسلمان اسپین میں پہنچ چکے تھے۔ یہ مورخ بیان کرتا ہے کہ عیسائی
مورخین نے طارف ابوزرعہ (Tarif Abu zarah) کو طارق ابن زیاد سے خلط ملط کردیا
ہے۔ ان دونوں نے مختلف وقتوں میں اسپین پر حملے کئے۔ ابوزرعہ نے ستمبر ۷۱۰ء عیسوی میں پانچ سو
مجاہدین کے ساتھ اسپین پر حملہ کیا اور جس جگہ جاکر اس نے پہلے قیام کیا وہ اس کے نام سے یاد کی
جاتی ہے اور اس جگہ کا نام طارف یا تارف (Tarif) ہے۔ میں سمجھتا ہوں اور بہت ممکن ہے کہ
انگریزی کا لفظ (Tarrif) اس سے نکلا ہو۔ یہ بھی بندرگاہ ہے اور یہاں کسی قسم کا محصول
لگایا گیا ہوگا۔ اس مصنف کا کہنا ہے کہ طارق ابن زیاد نے ۳۰ اپریل ۷۱۱ء عیسوی کو حملہ کیا۔ اس کے
ساتھ سات ہزار مجاہد تھے اور وہ سیوٹا (Ceuta) مقام پر اترا جسکو بعد میں جبل طارق
کہا گیا۔ اس کتاب میں اور بھی بڑے معلومات ہیں۔ اس کتاب کی جلد سرخ چرمی ہے اور تمام کام

سنہری کیا گیا ہے۔

۲۔ ڈاوز ہسٹری آف ہندوستان (Dow's history of Hindustan) تاریخ
فرشتہ کا مکمل تین جلدوں میں ترجمہ ہے۔ مطبوعہ لندن ۱۸۱۲ء یہ کتاب معتبر ہے اور نہایت اعلیٰ
جلد کی ہے۔ رنگ زرد چرمی اسپر سنہری کام۔ مترجم نے نو سو صفحات کا ایک دیباچہ لکھا ہے
جس میں شمال کی تہذیب سے تعارف کرادیا ہے۔ مجھے علم نہ تھا کہ فرشتہ کا ترجمہ ہوچکا ہے۔

۳۔ فریزر کا سفرنامہ دو جلدوں میں (Frasers Travels) یہ عراق ایران
اور کردستان کی قدیم تاریخ ہے۔ مطبوعہ لندن ۱۸۴۰ء بڑی پر از معلومات کتاب ہے۔

۴۔ پنجاب اور سرحد دو جلدوں میں۔ یہ ایڈورڈ کی مشہور کتاب ہے اور نایاب ہے۔ مطبوعہ
لندن ۱۸۵۱ء دونوں جلدیں نیلی چرمی ہیں اور سر سے پاؤں تک مطلی۔

ہندوستان کے مورخین یہ ثابت کرتے آئے ہیں کہ بلیک ہول کلکتہ کا واقعہ درحقیقت تراشا ہوا
ہے۔ عم محترم خواجہ عبدالوحید نے بھی ایک مضمون اس پر لکھا تھا۔ ایک کتاب میرے ہاتھ لگی ہے
جس کے میں نے بہت دام دیئے ہیں۔ گو یہ مختصر ہے مگر اس میں بلیک ہول کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔
مطبوعہ لندن ۱۷۵۸ء یہ حولول (Holwell) کی لکھی ہوئی داستان ہے۔ یہ شخص
بچ جانے والوں میں تھا۔ اس کا بیان طبی نقطۂ نگاہ سے صحیح معلوم ہوتا ہے۔ جو حالت اس نے
بیان کی ہے وہ آپ بیتی ہی ہے، مگر وہ تو اس کا ذمہ دار مسلمانوں کو نہیں ٹھہراتا بلکہ شجاع الدولہ
کے ایک جمعدار اور ایک صوبے دار پر جو ہندو تھے الزام دھرتا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ راجہ مانک چند
کے ایما سے ہر دن اور بندو سنگھ ہزاری نے ان لوگوں کو قید کیا۔ داستان پڑھنے والی ہے، کتاب
A genuine narrative of The Deplorable کا نام ہے
Deaths of The English gentlemen & others

who were suffocated in the Black hole (P. 56)

۵۔ فوربز (Forbes) کی ہندوستانی انگریزی ڈکشنری مطبوعہ لندن ۱۸۴۶ء مکمل دو جلدوں میں۔

۶۔ عیسائیت کے تنزل کے وجوہ (The causes of the decay of christianity) مطبوعہ لندن ۱۶۷۹ء یہ بہت پرانی چھپی ہوئی کتاب ہاتھ لگی ہے اس کی اشاعت کو تقریباً تین سو برس ہوگئے ہیں اس کتاب کو پڑھکر آجکل کی دنیائے اسلام کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ یہ کتاب Great fire of London کے زمانے میں چھپی تھی اور اس کا عکس بھی ہے۔ کتاب عیسائیوں کے سخت خلاف اور بڑے پُر زور لہجے میں لکھی ہوئی ہے۔ پچھلے سال اسلامک لٹریچر لاہور نے ایک خصوصی نمبر نکالا تھا جس کا عنوان تھا۔ Islamic civilization versus western civilization اس میں میرا بھی ایک مضمون تھا، جس کا ذکر غالباً آپ نے صدق کے صفحات میں بھی کیا تھا۔ اس میں میں نے نادانستہ طور پر آج سے تین سو سال قبل عیسائیت کا موازنہ دنیائے اسلام سے کیا تھا۔ اب جو یہ کتاب دیکھی ہے تو میرا گمان کچھ اور پختہ ہوگیا ہے۔ اس جلد میں دو کتابیں ہیں۔ اور دونوں عیسائیت پر پڑھنے میں بھی آیا ہے کہ پریس یورپ میں مسلمان لائے تھے۔ مگر انکی شائع کردہ کتابیں کہاں گئیں؟ ہمارے ہاں قلمی کتابوں کے تو انبار ہیں مگر یہاں ساڑھے تین سو برس پہلے کی کتابیں چھپی ہوئی ملتی ہیں۔ یہاں انگریزی اور لاطینی اور فرنچ کے مخطوطے بھی بے شمار ہیں۔ بلکہ بعض مخطوطے بڑے قدیم ہیں۔ یہ مخطوطات بھی مطلی ہیں۔ جلد بندی بھی بڑی عمدہ کی گئی ہے۔ یہاں کی کچھ دوکانوں پر بھی کچھ عربی فارسی کے مخطوطات فروخت کے لیے رکھے ہیں، مگر بڑے گراں ہیں۔ کسی کو بھی ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں پڑی۔ ایک البم دیکھا جس میں خطاطی کے نمونے تھے مشہور خطاطوں نے اپنے اپنے شاہکار اس میں پیش کئے تھے، بڑی عمدگی سے اس کی جلد بندی کی گئی تھی۔ کاش کوئی مسلمان

حکومت ان کو خریدے۔

۷۔ راولنسن (Rawlinson) کی مشہور کتاب Five Monarches بھی ہاتھ لگ گئی ہے، بلکہ اس نے ایک چھٹی مانارکی بھی لکھی تھی وہ بھی مل گئی ہے۔ اس کتاب کا ذکر مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں کیا ہے، سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ولیم جیلین کی کتاب قسطنطنیہ سے لیکر عمر خیام کے گھر تک From constantinople to the home Omar Khayyam اور راولنسن کی کتابوں سے تفسیر سورہ کہف میں بہت استفادہ کیا ہے۔

۸۔ سر ہنری لے یارڈ کی بھی تین کتابیں بابل اور نینوا کے متعلق دستیاب ہوگئی ہیں، یہ تمام کتابیں آج کل ناپید ہیں۔

۹۔ مور کی مشہور لالہ رخ کا پہلا مصور ایڈیشن ایک دوکان سے مل گیا۔ اس کتاب میں فارسی تاریخوں کے بے شمار حوالے ہیں۔ اور مقام حسن ابدال سے متعلق کافی معلومات موجود ہیں۔

۱۰۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلہ کی پہلی جلد ایک دوکان سے مل گئی۔ اس میں عربوں کی جہاز رانی پر ایک مصور مضمون ہے!

۱۱۔ ایک کتاب امرتسر کے دربار صاحب پر ملی ہے جس میں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ دلچسپ واقعات ہیں۔ اس کتاب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دربار صاحب کا سنگ بنیاد حضرت میاں میر صاحب ہی نے رکھا تھا۔ یہ کتاب ایک سکھ سردار بہادر کی لکھی ہوئی ہے۔

اس قسم کی چھوٹی موٹی کتابیں جب فرصت ملتی ہے تو تلاش کر لیتا ہوں۔ اسوقت ایک سو کے قریب کتاب جمع کر چکا ہوں۔ ارادہ تھا کہ موٹر خرید کر یورپ کا سفر کرتے ہوئے گھر جائیں گے۔ مگر یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ یا تو کتابیں اکھٹا کی جائیں یا موٹر کی سیر کی جائے۔ دونوں کا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ دیکھیں، اللہ تعالے کو کیا منظور ہے۔

یہاں کی نائٹ لائف ابھی تک دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لئے اس پہلو پر کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ دن کے وقت تمام دنیا مصروف نظر آتی ہے۔ بے کار کوئی نظر نہیں آتا۔ یہاں عورت کی زندگی دیکھکر مجھے بڑا ترس آتا ہے جن چند عورتوں سے ملاقات ہے جب ان سے اس بارے میں کہتا ہوں تو بیچاری رو پڑتی ہیں۔ اول اول تو خود مختاری حاصل کرکے وہ خوب گلچھرے اڑاتی ہیں مگر جلد ہی تنگ آجاتی ہیں، دن بھر محنت کرتی ہیں، شام کو خود کھانا پکانا پڑتا ہے۔ کمرے صاف کرنا پڑتے ہیں۔ کپڑے دھونا پڑتے ہیں، میرا اندازہ ہے کہ سوائے فحش پیشہ عورتوں کے کوئی بھی شریف عورت اس زندگی سے خوش نہیں، یہاں کے متعلق ایک بات جو ہم لوگ اکثر بھول جاتے ہیں یہ ہے کہ گذشتہ دو جنگوں نے یہاں کے حالات دگرگوں کردیے ہیں ایک تو خود ان کی اپنی Industrialization نے انکو تباہ کیا ہے دوسرے جنگوں نے ان کے اخلاق کو تباہ کرکے رکھدیا ہے۔ ہم لوگ وہاں اس کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ دوسری جنگ عظیم کے وقت یہاں کی آبادی بے تحاشہ بڑھی، اب پھر کم ہوگئی ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں بھی یہی حال ہوا جنگ کے زمانے میں جب دوسری قوموں کے لوگ اپنے ملک میں آجائیں اور اپنے باہر چلے جائیں تو حرامکاری بڑھ جاتی ہے، خاص طور پر جب امریکہ جیسی امیر قوم کسی ملک میں چلی جائے تو روپیہ پانی کی طرح بہادیتی ہے۔ جنگ زندگی کو غیر یقینی بنادیتی ہے۔ خصوصاً جب موت اس قدر قریب ہو جس طرح یہاں تھی تو ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ عیش پسند ہو جاتے ہیں، اور پھر جب روپیے کی فراوانی ہو جائے تو بدکاری کے لیے زمین اور بھی زرخیز ہو جاتی ہے۔ بابر بعیش کوش کا مسلک صلائے عام ہو جاتا ہے۔ مرد اور عورت کا اختلاط اور بھی بڑھ جاتا ہے، اس کا نتیجہ معلوم ہے۔ گذشتہ جنگ کے دوران میں اور اس کے عین بعد یہاں ...۵۰ ہم طلاقیں ہوئیں اور ...۲۵ نے خرچ دیکر پیچھا چھڑایا۔ (بحوالہ ٹریبیون)

پھر جب عورت کو مالی خود مختاری دے دی جائے جیساکہ یہاں ہے کہ وہ خود کماتی ہے اور

خود کماتی ہے خصوصاً جب انکو تنخواہ زیادہ دی جاتی ہو تو حالات اور بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ عورتیں اکثر دوکانوں میں سیلز گرل کا کام کرتی ہیں، گاڑیوں میں ٹکٹ بیچتی ہیں، وغیرہ وغیرہ، اور جب روپیہ عام ہو، نہ کوئی اخلاقی پابندی ہو اور نہ ذمہ داری تو کون عیاشی نہیں کریگا۔ مگر یہ کہنا کہ یہاں کے لوگ ان حالات کو نہیں سمجھتے یا ان کو سدھارنے کی فکر نہیں کرتے سراسر غلط ہے۔ بلکہ یہ لوگ ان حالات کے متعلق فکر مند ہیں، اخباروں میں یہ چیز عام دیکھنے میں آتی ہے۔

آج کل کرسمس بالکل قریب ہے اور لندن کو دلہن کی طرح سجایا جارہا ہے۔ سجاوٹ کا آرٹ ان لوگوں پر ختم ہے۔ کس کس انداز سے دوکانیں سجائی ہیں۔ اور کیا کیا سامان لگا رکھا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، مگر ایک بات جو محسوس کرتا ہوں بڑی اہم بات ہے۔ لندن کی مارکیٹ پر یہودی قابض ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انگریز یہودی کے ہاتھ بک چکا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اور انگریز خود اس بات کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ٹرافلگر کے چوک میں ایک جلسہ تھا کسی یو این او کی تقریب میں۔ دوسرے ملکوں کے لوگ جمع تھے اور مختلف ممالک کے سفیر بھی موجود تھے، میں بھی بیوی کو لیکر گھومتا ہوا ادھر جا نکلا۔ ایک مختصر سی پریڈ بھی کی گئی تھی، صاحب صدر کو جو کسی دوسرے ملک کے بڑے آدمی تھے ایڈریس پیش کیا گیا تو باہر سے آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔

Down with u.n.o
Down with jews.

جب صدر نے پریڈ کا معائنہ شروع کیا تو تین نوجوان نے ہلہ بول دیا۔ پولس اُن کی تاک میں کھڑی تھی، اس نے بڑی پھرتی سے ان کو دبوچ لیا، پھر باہر سے جاکر سمجھا کر چھوڑ دیا۔ اس قسم کے اور کئی واقعات دیکھنے میں آئے جن سے ان لوگوں کے احساسات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ان کی زندگی کا ایک ضابطہ ہے یہ اس سے باہر نہیں نکلتے۔ اس کے اندر رہ کر ہی احتجاج کرتے ہیں۔

ساتویں صدی تک کے رجال السند والہند

از مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

(۳)

علمائے تاریخ وانساب اور سیاح

(۱) ابان بن محمد سندی کوفی بغدادی، عالم اخباری علم تاریخ میں ان کی کتاب کا نام کتاب النوادر ہے، ان کے نام اور نسب میں بہت اختلاف ہے،

(۲) ابراہیم بن سندی بن شاہک، تاریخ قریش، دولت عباسیہ، رجال دعوت اور اخبار کا بہت بڑا عالم تھا،

(۳) ابو محمد ہندی بغدادی، بلاذری نے سندھ کی فتوحات کے سلسلہ میں ان سے ایک واسطے سے روایت کی ہے،

(۴) ابن الاعرابی محمد بن زیاد، ابو عبد اللہ سندی کوفی، لغت کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ ایام وانساب کے بھی بڑے حافظ تھے، وفات ۲۳۱ھ۔

(۵) نجیح بن عبد الرحمن، ابو معشر سندی مدنی، حافظ حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ احادیث وسیر کے بھی عالم تھے، ان کی تصنیفات میں کتاب المغازی بھی ہے جس کی روایت ان کی اولاد نے کی ہے، مغازی کے بہت بڑے عالم تھے، وفات رمضان ۱۷۰ھ

(۶) سفر بن سندی بغدادی، صاحب اخبار واحادیث، موجود ۲۰۰ھ

(۷) ایک سرندیپی سیاح جس نے ایک ملازم کو ساتھ لیکر مدینہ منورہ کا سفر کیا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ مل سکا، اس وقت حضرت ابوبکرؓ بھی وصال فرما چکے تھے اور

حضرت عمرؓ کا دور خلافت تھا، یہ شخص واپسی میں خلیج فارس کی ایک بندرگاہ میں پہنچکر مر گیا اور اس کے ملازم نے سرندیپ جاکر وہاں کے جوگیوں اور فقیروں سے تمام حال بیان کیا، (بزرگ بن شہریار ناخدا)

(۸) ایک منصوری سیاح، اس نے مارکین تک سفر کیا تھا، اور بزرگ بن شہریار سے وہاں کے عجائبات بیان کیے،

اطبار

(۱) انکو، اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں

(۲) اریکل،

(۳) اندی

(۴) ابراہیم بن سندی بن شاہک بغدادی، دوسرے علوم وفنون کی طرح طب میں بھی ماہر تھا،

(۵) ابن دھن ہندی بغدادی، برامکہ کے شفاخانہ کا طبیب اعلیٰ تھا، اس نے ہندی طب کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔

(۶) ابن قمانفس، اس کا نام شاناق تھا، طبیب وبیطار تھا، طب میں اسکی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں

(۷) ابو قبیل ہندی۔

(۸) بازیگر ہندی بغدادی، اسے یحییٰ بن خالد برمکی نے ہندوستان سے بغداد بلایا تھا۔

(۹) باکھر اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں،

(۱۰) بہلہ ہندی بغدادی، اسے یحییٰ بن خالد برمکی نے ہندوستان سے بغداد بلایا تھا اور اپنے بیمارستان میں رکھا، اس نے اور اس کی اولاد نے آگے چل کر بڑی ترقی کی،

(۱۱) توقشل ہندی، اس کی کتابیں بھی عربی میں منتقل ہوئیں۔

(۱۲) جارکایہ ہندوستان کا قدیم طبیب تھا، اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں، اس کی عربی

کتابوں کے بعض نوادر یورپ میں موجود ہیں۔

(۱۳) جبھر، اس کی کتابیں عربی منتقل ہوئیں،

(۱۴) جباری " " "

(۱۵) جودر " " "

(۱۶) حسن بن صالح بن بہلہ ہندی بغدادی،

(۱۷) داہر اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔

(۱۸) راجہ " " "

(۱۹) رائے ہندی، اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں ان میں کتاب اجناس الحیات وسمومہا بہت مشہور رہے۔

(۲۰) روساہندیہ، بعض کتابوں میں اس طبیبہ کا نام رودش ہے اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں ان میں علاج النساء بہت مشہور رہے۔

(۲۱) ساموہ ہندی صاحب کتاب الجانی اس کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں،

(۲۲) سسرونا ہندی، اس کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ ہوئیں۔

(۲۳) سیرک، اس نے ہندوستانی طب کی کتابیں ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیں، ابو عبد اللہ ابن علی نے ان کو عربی میں منتقل کیا۔

(۲۴) شرف الدین ملتانی۔

(۲۵) ششرد، اس کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں،

(۲۶) صالح بن بہلہ ہندی بغدادی، دولت عباسیہ میں بڑا نامی گرامی طبیب تھا۔

(۲۷) صکہ، اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔

(۲۸) صنجبل، اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔

(۲۹) کنکہ (گنگا)

(۳۰) محمد بن احمد، ابو الریحان بیرونی سندھی خوارزمی، دوسرے علوم وفنون کے علاوہ علم طب میں بھی ماہر تھا، شیخ الرئیس کا معاصر تھا، دونوں میں سوال وجواب ہوا کرتے تھے، ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں اسکا تذکرہ کیا ہے۔

(۳۱) منکہ ہندی بغدادی، اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی کے حلقۂ اطباء میں سے تھا، ہندی زبان کی طبی کتابوں کو عربی میں منتقل کرتا تھا۔

(۳۲) ناقل، صاحب کتاب اجناس الحیات،

(۳۳) نہق، صاحب کتاب الموالید الکبیر

(۳۴) مدینہ منورہ کا ایک جاٹ طبیب، اس نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علاج کیا تھا۔ (طبیب زُطی)

(۳۵) ایک ہندی طبیب، اس نے خلیفہ منصور کا علاج کیا تھا۔

(۳۶) ایک اور ہندی طبیب، ہندوستان کے اطباء کا جو وفد خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس بغداد گیا تھا، اس میں یہ شخص نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

(۳۷) ایک بلوچی طبیب جو عمان میں رہتا تھا، بزرگ بن شہریار نے اس کا ذکر کیا ہے۔

علمائے فلکیات ونجوم وریاضیات

(۱) آنکو نجوم میں اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔

(۲) اریکل، " " "

(۳) اندی " " "

(۴) ابراہیم بن سندی بن شاہک بغدادی، علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا،

(۵) باذور دغوغیا ہندی، رومی، صاحب کتاب استخراج المیاہ،

(۶) باکھر، نجوم میں اکی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔

(۷) بہلہ طب کے ساتھ نجوم کا بھی ماہر تھا۔

(۸) جبھر، نجوم میں اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔

(۹) جباری، " " " "

(۱۰) جودر، " " " "

(۱۱) خاطفِ ہندی، افرنجی، علم کیمیا میں اسے خصوصی درک تھا۔

(۱۲) داہر، اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔

(۱۳) دانائی ہند خراسانی۔

(۱۴) ذوبان زابلستانی حکیم، اسے زابلستان کے راجہ نے خلیفہ عباسی مامون کے پاس بھیجا تھا، اور اس نے اپنی مہارت فن سے بڑا مقام حاصل کیا۔

(۱۵) راحہ، نجوم میں اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔

(۱۶) شاناق، " " " "

(۱۷) صکہ، " " " "

(۱۸) صنجل، " " " "

(۱۹) کنکہ، قدیم علمائے ہند میں علم نجوم سب سے بڑھا ہوا تھا، اس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں،

(۲۰) ماشاء اللہ ہندی، صاحب التوالیف الفخمہ، یہ علم نجوم کا بڑا ہی دلدادہ تھا۔

(۲۱) محمد بن احمد ابوریحان بیرونی سندی، علم ہندسہ، ریاضی، فلکیات، نجوم اور دوسرے تمام علوم حکمیہ اور فنون عقلیہ میں امام مانا جاتا ہے۔

(۲۲) منکہ ہندی، بغدادی،

(۲۳) نہق ہندی،

وزراء عمال، امراء اور ارباب سلطنت

(۱) ابراہیم سندی بن شاہک، دولت عباسیہ کے اعاظم رجال میں سے ہے، ایک زمانہ میں کوفہ کا والی رہا تھا۔ عباسیوں کی حمایت اور ان کے استحکام میں اس نے اور اس کے خاندان نے بڑی خدمات انجام دیں، برامکہ کی طرح یہ سندی خاندان بھی عباسی دور میں خوب چمکا، اس نے امور سلطنت میں بڑا حصہ لیا۔

(۲) ابراہیم بن عبد السلام ابو طیبہ سندی، یہ سندی بن شاہک کا بھتیجا ہے اس نے بھی عباسی خلافت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ مہدی کے دور میں بڑا نام پیدا کیا۔

(۳) ابراہیم بن عبد اللہ سندی، یہ بھی سندی بن شاہک کا بھتیجا ہے، عہد مامونی میں اس نے بڑے بڑے کام کئے،

(۴) مولانا اسلامی دیبلی نومسلم تھے محمد بن قاسم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اس نے ان کو مسلمانوں کی طرف سے قاصد اور ترجمان بنا کر راجہ داہر کے پاس بھیجا جہاں انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی۔

(۵) ابو حارثہ ہندی بغدادی، مہدی عباسی کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کے بیت المال کا خازن اور کلید بردار تھا۔

(۶) ابو سالمہ زطی بصری، یہ جاٹ نسل کا امیر تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ کے سیابجہ کا حاکم تھا۔

(۷) تاج الدین دہلوی، سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دیوان رسائل کے میر منشی تھے۔

(۸) حسن بن محمد بن حسن صغانی لاہوری، ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی طرف سے کئی مرتبہ خلافت عباسیہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجے گئے، اور سفارت کے کاموں کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

(۹) دانائی ہند خراسانی یہ بڑا عاقل تھا، سلطان شاہ محمد بن تکش نے اس کی قابلیت کی بنا پر اس کو اپنا مقرب بنایا، اور حکومت کے معاملات میں اس سے مدد اور مشورہ لیتا تھا۔

(۱۰) ذوبان زابلستانی حکیم، زابلستان کے راجہ نے اسے خلیفہ مامون کی خدمت میں بغداد بھیجا تھا، اس نے مامون کی بڑی خدمات انجام دیں، اور مخالفین کے زیر کرنے میں قابل تحسین کارنامہ دکھایا۔

(۱۱) ریاح منصوری سندی، منصورہ کے حاکم عمر بن عبد اللہ ہباری کا وزیر تھا، مسعودی نے ۳۰۳ھ میں اس سے ملاقات کی تھی۔

(۱۲) رشیق ہندی، خراسانی یہ سامانی حکمراں نوح بن نصر کا حاجب تھا۔

(۱۳) سماق زطی جاٹ نسل سے تھا، بصرہ اور اس کے نواح میں عباسی دور میں جاٹوں نے بڑی شورش برپا کی تھی اور عباسی خلافت کی بغل میں ایک آزاد مسلم جاٹ ریاست بنانے کا منصوبہ بنایا تھا، سماق ان کا سرغنہ تھا۔

(۱۴) سندی بغدادی، مولیٰ حسین الخادم، خلیفہ واثق باللہ کے زمانہ میں دولت عباسیہ سیاسی اور ملکی معاملات میں دخیل تھا۔

(۱۵) سندی بن شاہک، مولیٰ خلیفہ ابوجعفر منصور، خلافت عباسیہ کا بیدار مغز داعی و مبلغ تھا، اس نے عباسی خلافت کے استحکام میں بڑے کارنامے انجام دیئے۔

(۱۶) سندی بن یحییٰ حرشی بغدادی، یہ بھی دولت عباسیہ کا طرفدار تھا۔ مدتوں واسط اور اس کے نواحی کا حاکم رہا تھا۔

(۱۷) حسن بامیانی، اس کا لقب شیر بامیانی ثانی ہے، اس کا باپ چودھری کی حیثیت سے بامیان پر حکومت کرتا تھا، اس نے خلیفہ منصور کے زمانہ میں مزاحم بن بسطام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس کا لقب "شیر بامیان اول" ہے، حسن اور اس کے باپ کے اسلام قبول کرنے کے بعد غور بھیجا گیا جہاں اس نے اسلامی فوج کی قیادت کی اور کفار کے مقابلہ میں فتح پائی اس کے صلہ میں بامیان کا حاکم بنا دیا گیا۔

(۱۸) علیبد بن باب سندی بصری، خلافت عباسیہ کی طرف سے بصرہ کی پولیس سے وفاداری کی قسم لینے پر مامور تھا۔ عمرو بن علیبد بن باب سندی بصری یہ شیخ المعتزلہ اسی کا بیٹا ہے۔

(۱۹) محمد بن احمد، ابو الریحان بیرونی سندی خوارزمی، سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے سلطان مسعود کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور امور سلطنت میں رائے اور مشورہ دیتا تھا۔

(۲۰) محمد بن عثمان، سراج الدین لاہوری، سلطان بہاؤ الدین سام بن محمد... ان کو لاہور سے بامیان لے گیا اور مناصب شرعیہ ان کے سپرد کیئے اور دو مرتبہ ہندوستان سے خلیفہ ناصر عباسی کے پاس بغداد سفیر بنا کر بھیجے گئے۔

(۲۱) محمد بن عثمان زطی بصری، بصرہ کے جاٹوں نے اسے اپنا حاکم بنایا تھا۔

(۲۲) محمد بن عوض نظام الملک جنید الدین، سلطانۂ ہند رضیہ بنت التمش کا وزیر تھا اور طاقت پاکر بعض علاقوں پر قابض ہو گیا تھا۔

محمد بن علی بلگرامی، اوچہ سے بلگرام آئے اور وہاں کے راجہ سے جنگ کر کے فتح پائی ایک قلعہ بنایا سلطان التمش نے ان کے نام رضامندی کا پروانہ روانہ کیا۔

(۲۳) معروف بن زکریا جیموری (یمن)، راجہ بلہرا کی طرف سے مسلمانوں کا حاکم تھا، اور اس کا حکم رعایا کا حکم مانا جاتا تھا، اس کا انتخاب راجہ کے حکم، اور مسلمانوں کے مشورہ سے ہوتا تھا۔

(۲۴) نصر سندی، خلافت عباسیہ کے خلاف فرنگی فوجوں کا کمانڈر تھا اور شامی سرحد میں مسلمانوں کے خلاف عیسائی فوجوں کی کمان کرتا تھا۔

(باقی)

موتمر مستشرقین عالم کا اجلاس میونک ۱۹۵۷ء

از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب، پیرس

اس موتمر کا عموماً سہ سالہ اجتماع ہوتا ہے۔ استانبول، اور کیمبرج کے اجلاسوں کی روداد سے معارف کے ناظرین واقف ہو چکے ہیں۔ اس کا چوبیسواں اجلاس ۲۸ اگست سے ۴ ستمبر تک میونک (مغربی جرمنی) میں ہوا تھا۔ مدعوئین میں تقریباً پندرہ سو فضلا تھے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، کچھ مسلمان بھی تھے لیکن الحمد للہ انھوں نے بہت اچھا اثر چھوڑا۔ ترک، تونسی، شامی وغیرہ مختلف ملکوں کے مسلمانوں نے شعبہ وار اجلاسوں کی صدارت بھی کی۔ ہندی مسلمانوں میں دو ایک طالب علم جو یورپ میں موجود تھے، آ گئے تھے، باقی سرکاری نمایندگی تھی جس کے لئے اب مسلمان چنے نہیں جاتے۔ آیندہ اجلاس ۱۹۶۰ء میں حکومتِ روس کی دعوت پر لینن گراڈ میں ہونا طے پایا ہے۔

موتمر سے خواہش کی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کے لئے (جن کی کوئی مسجد شہر میں نہیں ہے اور جن کو ہفتے میں ایک بار نہیں بلکہ روزانہ پانچ بار نماز پڑھنی پڑتی ہے) کانگریس کے احاطے میں کوئی کمرہ خاص کر دے۔ منتظمین نے اسے خوشی سے منظور کیا۔

موتمر کا کام اتنا وسیع ہے اور اس میں حصہ لینے والے اتنے زیادہ ہونے لگے ہیں کہ مقالوں کو چودہ شعبوں میں بانٹنا پڑا، اور ان کے اجلاس بہ یک وقت ہوتے رہے۔ آدھے سے زیادہ کام اسلام اور مسلمانوں یا اسلامی علاقوں کے ساتھ خاص تھا، جس سے دنیا میں ان کی اہمیت محسوس ہوتی ہے۔ جس کا اندازہ اس فہرست سے ہوگا۔

(۱) مصریات، (۲) خط میخی اور مغربی ایشیا (عراق وغیرہ) (۳) توریت و یہودیت (۴) عیسائیت (۵) سامی السنہ (۶) اسلامی السنہ (۷) اسلامی تاریخ و فنون لطیفہ (۸) ترکیات (۹) ایرانی و قفقازیات (۱۰) ہندیات (۱۱) وسطی ایشیا (۱۲) چین و جاپان (۱۳) جنوبی و مشرقی ایشیا اندونیسیا (۱۴) افریقائی زبانیں۔

ان موضوعوں پر کوئی ساڑھے چار سو مقالے پڑھے گئے جن میں سے بعض میں فانوسی تصویریں بھی دکھائی گئیں، تقریریں صرف تین زبانوں میں منظور کی گئی تھیں، جرمن، فرانسی یا انگریزی، روسی نمایندوں نے اپنی تقریروں کو انگریزی میں چھاپ کر سب حاضرین میں تقسیم کرنے کی جدت کی تھی۔ یہ کام حکومتیں کر سکتی ہیں۔ کریماں را دست اندر درم نیست۔

یہ تو ممکن نہیں کہ سارے مقالوں کا خلاصہ دیا جائے، محض عنوانات لکھنے کے لئے بھی کافی جگہ کی ضرورت ہے، اس لئے منتخب عنوانوں کے ذکر پر اکتفا کی جاتی ہے۔

مصریات (۲۲ مقالے) | ۱۔ سلیم حسن (قاہرہ) اونان میں جدید کھدائی

۲۔ روڈالف انتین (فلاڈلفیا) مطرحینہ میں کھدائی

۳۔ ژان ورکوتے (خرطوم) ۱۹۵۵ تا ۱۹۵۷ء میں سوڈان میں اثریاتی تحقیقات

۴۔ لبیب حبشی (الاقصر) رعمسیس دوم کے زمانے میں مصر اور لیبیا کے تعلقات

۵۔ حسن ثابت (خرطوم) سلطنت نپتو کے خارجہ تعلقات۔

۶۔ دی جے آذرئیف (موسکو) قدیم مصر کے معاشی اور ثقافی اثرات باہمی بیرونی ممالک سے

اشوریات اور میخی خط (۵۵ مقالے) | ۱۔ معز زچیغ (استانبول) استانبول کے عجائب خانے میں ۱۹۵۰ء کے بعد سے تحقیقاتی کام حصہ اوّل

۲۔ خدیجہ قزل آلی (استانبول) ایضاً حصہ دوم

۳۔ ای اے اشپائزر (فلاڈلفیا) مسکین اشوری تمدن میں۔

۴۔ سی جے گیاڈ (لندن) بنو تعد کی حکومت عرب میں۔

۵۔ ڈر، ڈر، و (بصرہ) زیریں عراق کا قدیم جغرافیہ۔

۶۔ سلیمان مصطفےٰ زبیں (تونس) قدیم مشرق قریبہ کے فنون لطیفہ کے بعض اثرات افریقیہ کے اسلامی فنون لطیفہ میں۔

۷۔ ڈبلیو ایف البرائٹ (بالٹی مور) قبل اسلام عرب کی سنہ دار تاریخ

توریت اور یہودیات (۲ مقالے) | ۱۔ ایس ایم عبد العال (لیڈس) سامریوں کے عقائد و عبادات پر اسلامی اثر

۲۔ الگزانڈر شرابیر (بوداپسٹ) ہنگری میں ترکی دور کے عبرانی دفتر

عیسائی مشرق اور بیزنطین (۲ مقالے) | ۱۔ فریدون دیرنگکین (استانبول) الیکسی اور مانوئیل کومنین کے حملات کا صحیح محل وقوع۔

۲۔ سمادی ایچ جے (استانبول) خانوادہ پالیولوگ کے زمانے کا مذہبی فن تعمیر

سامیات (۴ مقالے) | ۱۔ گونزاک ایکمان (بلجیم) جنوبی عرب کے کتبوں میں آسمان و زمین کا ذکر

۲۔ توفیق فہد (اسٹراسبورگ) قبل اسلام کے ازلام کعبہ میں

۳۔ ڈاکٹیس پیرئین (بلجیم) جنوب عرب کی تاریخ میں سلطنت قتبان کا اختتام

۴۔ اسٹفان اسٹریلسین (دارسا) ایک یمنی الاصل حبشی روایت "خط" کے متعلق۔

اسلامیات، حصہ ادبیات (۴ مقالے) | ۱۔ اڈولف گرومان (آسٹریا) قرآن کریم کے قدیم نسخوں کی تاریخ کا تعین

۲۔ صلاح الدین المنجد (قاہرہ) ادارۂ مخطوطات عربی اور اس کی کارکردگی۔

۳۔ یحیٰی خشاب (قاہرہ) نظام الملک اور سیاست نامہ

۴۔ جورج قنواتی (قاہرہ) قاضی عبد الجبار معتزلی کی المغنی فی اصول الدین۔

۵۔ انماری شمل (انقرہ) اقبال کا جاوید نامہ

۶۔ محمد طالبی (پاریس) قراءۃ بالالحان۔

۷۔ عابد مزالی (تونس) تفسیر یحییٰ بن سلام

۸۔ دی آئی بلیانف (موسکو) الادراق للصولی کا مخطوطۂ لینن گراڈ۔

۹۔ آرد والتسر (آکسفرڈ) فارابی کی آراء المدینۃ الفاضلہ

۱۰۔ مادموازیل ڈالویرنی (پاریس) الکندی کے دو غیر مطبوعہ رسالے، علم مرایا اور سحر پہ

۱۱۔ عباس زیات (جرمنی) ابو حیان توحیدی کا ایک نایاب واحد مخطوط

۱۲۔ ایلویل سٹن (ایڈنبرا) فارسی علم عروض

۱۳۔ باوزانی (روما) فارسی ادبیات میں "ہندی انداز"

۱۴۔ محمد ابراہیم الکتانی (مراکش) "المورد الاحلیٰ فی اختصار المحلیٰ" اور "المقدح المعلیٰ فی اکمال المحلیٰ"

۱۵۔ فیلکس پریخا (مجریط اسپین) مخطوطہ کتاب الشطرنج ع ۲۲۳۲ عاطف آفندی استانبول،

۱۶۔ امجد طرابلسی (دمشق) زجر النابح لابی العلاء المعری (از برٹش میوزیم)

۱۷۔ مجتبیٰ مینوی (طہران) کلیلہ و دمنہ کا اختصار از خلیفہ مامون۔

۱۸۔ ڈاکٹر فلوصی (بغداد) عراق کی جدید مختصر کہانیوں کے رجحانات۔

اسلامیات حصہ مذہب، تاریخ و فنون لطیفہ (۵۴ مقالے) | ۱۔ صبحی لبیب (ہامبورگ) قرون متوسطہ کے مصر میں قرض دینے کے اصول۔

۲۔ داوید آیالون (اسرائیل) سلاطین مملوک کی بحری جنگیں

۳۔ صابر خان (کلکتہ) مسکویہ نے اپنی ہمعصر معاملات کن مصادر سے حاصل کیں،

۴۔ انوار الحق (مدراس) اسلامی سیاسی تصورات کے اثرات قرون متوسطہ کے یورپ پر

۵۔ ایگناس خلیفہ (بیروت) ابن خلدون کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ۔

۷۔ دالٹر فنشل (برکلے) ابن خلدون اور تقابل مذاہب

۸۔ علی زادہ (موسکو) رشید الدین خان کی جامع التواریخ۔ یہ عنوان دیا گیا تھا لیکن جو مقالہ پڑھا گیا اس کا عنوان تھا تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی میں آذربیجان کا نظام مالگذاری آراضی

۹۔ عثمان طوران (انقرہ) سلجوقی دور میں اسلام کی اشاعت

۹۔ موریس ڈیمانڈ (نیویارک) امریکی عجائب خانوں میں قدیم اسلامی ایرانی برونز کے برتن۔

۱۰۔ عباس مزدہ (طہران) قدیم ایرانی کانچ کے برتن ۱۵۰۰ ق م تا ۱۵۰۰ء

۱۱۔ ارنسٹ کیونل (برلن) برلین کے عجائب خانوں کی بعض نامعلوم تصویریں

۱۲۔ ڈی ایس رائس (لندن) جامع مسجد حران کے پتھروں میں قبل اسلام کے بعض کتبات

۱۳۔ امیر موریس شہاب (بیروت) آنجار میں ایک اموی محل کی دریافت

۱۴۔ فواد سزگین (استانبول) حدیث کی روایت کے بعض پہلو

۱۵۔ اے جانس (جوگجاکرتا) اسلام جدید انڈونیشیا میں۔

۱۶۔ محمد حمید اللہ (پارس) جمالیات اور فنون لطیفہ تعلیمات نبوی میں اس کو میونک کے ریڈیو نے ریکارڈ کرکے نشر کیا۔

۱۷۔ سلیم بیراقدار دوچ (بلگراڈ) جنوبی سلاف ممالک میں مشرقی میراث فنون لطیفہ میں۔

۱۸۔ صبیح عبدالعال (کیمبرج امریکا) حجاز میں پہلی صدی ہجری میں بڑی جاگیریں۔

۱۹۔ ای اے بیلائف (موسکو) ساتویں صدی میں اسلامی فرقہ بندیاں۔

۲۰۔ اوکتائی ارسلان آپا (استانبول) تبریز کے فن کار دربار استانبول میں

ترکیات (۲۷ مقالے) ۱۔ احمد حمدی تانپینار (استانبول) ترکی شاعری میں مرثیہ۔

۲۔ بی شپلر (مونسٹر) وحید الدین محمد سادس۔

۳۔ ٹی بیکلی اوغلو (انقرہ) صلحنامہ مدروس ۱۹۱۸ء کی ایک غیر مطبوعہ دستاویز۔

ایران و قفقاز (۱۰ مقالے) ۱۔ اے جی مرزائیف (موسکو) شہنشاہ نامہ کا مولف

۲۔ محمد باقر (لاہور) ایرانی قاموسیں

۳۔ علی سامی (شیراز) اصطخر اور پسرگادہ

۴۔ بی جی غفوروف (ماسکو) سامانی خانوادے کا عروج و زوال۔

۵۔ گل پاشا الفت (کابل) خوشحال خٹک کی شاعری میں روزمرہ کی زندگی کے مناظر۔

۶۔ محمد مقری (پارس) اہل حق کے ہاں حلول کا نظریہ

۷۔ عبد الغفور فرہادی رواں (کابل) مشرقی فارسی کے بعض پہلو۔

۸۔ میر نجم الدین (کابل) شیخ سعد الدین احمد انصاری کی سوانح عمری۔

۹۔ ملیحہ طارق آنجیا (انقرہ) سعادت نامۂ ناصر خسرو۔

۱۰۔ ای ای برٹلس (موسکو) فردوسی اور سلطان محمود غزنوی۔

۱۱۔ علی افقہ (طہران) ایران میں ادبی نشأۃ ثانیہ۔

ہندیات (۱۸ مقالے) ۱۔ خواجہ احمد فاروقی (لندن) انیسویں صدی کی ہندی سماجی زندگی کے متعلق اردو و فارسی معلومات

۲۔ ظل الوحید (کلکتہ) ہندوستان ہمیشہ غیر تبدل پذیر ہی رہا۔

۳۔ آر بنداباسو (ڈرہام) جدید ہندی تصوف۔

۴۔ جی ڈیریٹ (لندن) ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۶ء میں ہندو قانون کی تبدیلیاں۔

وسط ایشیا (۵ مقالے) ۱۔ علی توکچی باشی (پارس) چند روسی نام جو اناتائی الاصل ہیں۔

۲۔ خالدہ ددلو (لندن) سنائی اور لطفی کا تقابل۔

۳۔ سعادت چغتائی (انقرہ) بیطرۃ الواضح کا مخطوطہ۔

۴۔ جعفر اوغلو (استانبول) اناطولیہ اور روبیلی پر جدید تحقیقات۔

۵۔ اے ایم بیلنیسکی (موسکو) ساتویں اور آٹھویں صدی میں صغد۔

چینیات (۴۰ مقالے) | ۱۔ ایل سی گڈریچ (نیویارک) عربوں کے شہر زیتون یعنی چوپر نجو پر نئی روشنی۔

جاپان اور کوریا (۱۱ مقالے) | ۱۔ ڈونالڈ شیولی (برکلے) سترہویں صدی کے جاپانی شہروں میں ...

جنوب مشرق ایشیا (۲۰ مقالے) | ۱۔ جی ایف ہال (لندن) کسفیر اور مستشرق۔

۲۔ ڈی سی آلمیدا (لزبن) جزیرہ تیمور کے فنون اور دستکاریاں۔

افریقیات (۲۰ مقالے) | ۱۔ ایف ڈبلیو پارسن (لندن) ہوسہ زبان کی صرف ونحو کے بعض پہلو

عمومی اجتماعات میں تقریریں | ۱۔ کلود شیفر (پاریس) راس شمرہ وغیرہ کی نئی کھدائی۔

۲۔ پروفیسر اردمان (استانبول) اناطولیا میں اسلامی فنون لطیفہ۔

۳۔ پرنس پیٹر ڈنمارک کے علمی مشن افغانستان میں۔

متفرقات | موتمر کی طرف سے متعدد تحریکیں بھی منظور ہوئیں۔ ان میں سے ایک قابل ذکر یہ ہے کہ عرب ممالک میں اعلیٰ معیار کے جو روز افزوں مخطوطے شایع ہو رہے ہیں ان کو قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور مشرق و مغرب میں اس سلسلے میں تعاون کی توقع کی جاتی ہے۔

یہ غالباً پہلی مرتبہ مغرب نے مشرق کی ستایش کی ہے۔

جرمن انجمن مستشرقین کا مشہور رسالہ ZDMG ایک سو سات برس سے جاری ہے۔ اس نے موتمر کے سلسلے میں ایک خصوصی نمبر شائع کیا ہے۔ جس میں ایک مقالہ تھا، جامعہ میونک میں مشرقیات کی تعلیم کی صد سالہ سرگزشت"، ایک اور مقالہ عربی زبان کی لغتوں کے متعلق تھا۔

میونک کے کتب خانوں اور عجائب خانوں نے بھی اپنے ذخائر ہر معلومات کی ایک باتعویر کتاب شائع کر کے تقسیم کی۔ یوروپ کے قدیم ترین عربی مطبوعات، قرآن وغیرہ کا قدیم مخطوطے میونک میں، اور اس طرح کے دوسرے معلومات ان سے حاصل ہوتے ہیں، علاوہ دیگر معلومات مثلاً تصادیر، فنکارانہ مصنوعات، غیر اسلامی خاص کر یہود کی چیزیں وغیرہ،

غرض یہ اجتماع جس میں ہر مذہب و ملک کے لوگ، ہر رنگ اور ہر خیال کے افراد اور اہل علم کے علاوہ بہت سے تماشائی جمع ہوئے تھے، بہت دلچسپ تھا۔

سلسلۂ تجدیدات اشرفیہ

حکیم الامت ۔ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی کے آخری ۵۰ سالہ حسنۂ زندگی کا ایک مرقع اور نقشہ، تفسیر، حدیث و سنت، سلوک و کلام کے صدہا مضامین کا گلدستہ

مؤلفہ مولانا عبد الماجد دریابادی — عہ

تجدید معاشیات | معاشیات کے جدید نظریوں کے خلاف، معاشیات کے مسائل کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ — صر

تبلیغ و تعلیم | تعلیمی و تبلیغی تجدیدات و تدابیر کا جامع و مکمل نظام

قیمت — سے

تصوف و سلوک | اس میں بتایا گیا ہے کہ حقیقی تصوف در اصل کمال اسلام اور کمال ایمان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ — صر

جامع المجددین | اس میں مکمل مسلمان بننے اور بنانے کے لئے بہت آسان اور کارگر تدبیریں بنائی گئی ہیں۔ (مولفہ مولانا عبد الباری ندوی) قیمت ۔ صر

ادبیات

ماتم امام الہند

از سید شاہ عطاء الرحمن عطا کاکوی پروفیسر عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ

ماتم ہے آج ایسے تدبر شناس کا
حسن عمل سے جس کے بڑھا اقتدار ہند

وہ ہند کا امام و مجاہد ابو الکلام
تھا جس سے گرم معرکۂ کارزار ہند

ایسا خطیب، ایسا ادیب، ایسا رہنما
سوز نفس سے جس کے تھی قائم بہار ہند

ہیہات جس کی ذات سے تھی عظمت وطن
ایسا دبیر جس سے تھا عز و وقار ہند

وہ جس کے موقلم کی تھیں جادو طرازیاں
کتنا حسین بن گیا نقش و نگار ہند

یہ فیض اس کی سلسلہ جنبانیوں کا تھا
ہر ملک سے تھا رابطۂ استوار ہند

عزم امور جس کا اٹل رائے بے خطا
ہر دانۂ چراغ وطن، غمگسار ہند

تھا ہر معاملہ میں وہ نہرو کا دست راست
رونق پذیر دونوں سے تھا کاروبار ہند

ساتھی کو اپنے چھوڑ کے ساتھی چلا گیا
کیسے کٹینگے دیکھئے لیل و نہار ہند

افسوس اسکو ڈھونڈھ کے لائیں کہاں سے آج
وہ اپنے ساتھ لے گیا صبر و قرار ہند

پیچ و خم سیاست ملکی سے باخبر
وہ محرم رموز وطن راز دار ہند

اللہ کا ہو فضل نہ کیوں اس دیار پر
ہر د خلوص جب ہیں یمین و یسار ہند

ہاتف نے دی صدا مجھے درد و الم کے ساتھ
کہدے عطا کہ "آج گیا افتخار ہند"

۱۳۷۷ھ ۱۳۷۷ھ

مطبوعات جدیدہ

تفسیر سورۂ ذاریات ۔ تالیف مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ، ترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی، ضخامت ۴۰ صفحات، چھوٹی تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، عہ ۱۳ آنے پیسے، ملنے کا پتہ: دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڈھ

یہ رسالہ ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر نظام القرآن کا ایک جزء ہے، جو ان تمام حقایق و معارف، اسرار و نکات اور نوادر و بصائر سے لبریز ہے، جو مولانا کی تفسیروں کا طغرائے امتیاز ہے، اس میں سب سے پہلے مصنفؒ نے سورہ کے مرکزی مضمون کی نشاندہی کی ہے، اور سابق و لاحق سورتوں سے اس سورہ کا ربط و تعلق واضح فرمایا ہے، پھر سورہ کا تجزیہ کرکے ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہر سلسلہ کی آیتوں کے الفاظ کی تحقیق، جملوں کی تاویل، سیاق و سباق سے تعلق، آیات کی باہمی مناسبت، سلسلۂ بیان کے اہم اور دقیق مباحث سے تعرض اور معضلات قرآنی کی دلنشین تشریح کی ہے، اور بڑے حکیمانہ اور دلآویز نکات کا سراغ لگایا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جن مقامات سے مفسرین سرسری گذر جاتے ہیں وہاں مولانا کے فکر رسا نے دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں کے ایسے انبار لگا دیئے ہیں کہ فہم قرآن کی بہت سی مشکلات خود بخود حل ہو جاتی ہیں، اس سورہ میں بھی بالخصوص نطق انسانی اور ہر چیز کے جوڑا جوڑا پیدا کیے جانے سے معاد پر جو لطیف استدلالات اور وما خلقت الجن والانس کی جیسی دلکش تاویل فرمائی ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے، اور اس کی خوبی پڑھنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے، ترجمہ بھی نہایت سلیس اور شستہ ہے، یہ رسالہ علوم قرآن کے شائقین

علماء اور طلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔

دُرِّ یتیم ۔ مرتبہ جناب احسان صاحب بی اے، چھوٹی تقطیع، خوبصورت ٹائٹل، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، ضخامت ۵۱۲ صفحات، قیمت ہے۔ پتہ: شوکت پبلیکیشنز ۸۸/A ٹمپل روڈ، لاہور

سیرت نبوی پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ عموماً سیرت نگاری کے عام اور مروجہ قاعدے کے مطابق ہیں، یہ کتاب ناول کے پیرایہ میں لکھی گئی ہے، اور صرف آپ کی یتیمی و بچپن کے چھ سالہ واقعات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں کل چار ابواب ہیں، پہلا باب آپ کے یتیم پیدا ہونے کے ذکر میں ہے، دوسرے میں حلیمہ سعدیہ کے یہاں قیام کا ذکر ہے، تیسرا باب بادیۂ بنو سعد سے مکہ واپس تشریف لانے سے متعلق ہے اور چوتھے باب میں اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ تشریف لیجانے اور وہاں سے مکہ واپس ہوتے وقت والدہ محترمہ کے انتقال کا تذکرہ ہے، اس طرح گویا آپ ماں اور باپ دونوں طرف سے بالکل بچپن ہی میں یتیم ہوجاتے ہیں۔ یہاں پہنچکر کتاب ختم ہوجاتی ہے۔

پوری کتاب میں برکہ کا کردار، آمنہ کی اپنے شوہر سے غیر معمولی محبت، عبد المطلب، آمنہ، برکہ حلیمہ اور حارث وغیرہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پرخلوص محبت، عربوں کے غلط اعتقادات اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آیندہ نبی ہونے کے آثار و علامات بہت زیادہ نمایاں اور اجاگر ہیں، اور یہ سب کچھ عقیدت و محبت کے والہانہ جذبہ کے ساتھ لکھا گیا ہے، اس لیے کتاب بڑی دلآویز، موثر اور دلکش ہوگئی ہے، اور باوجودیکہ کتاب کا انداز ناول کا ہے، لیکن مصنف نے داستان طرازی کے لیے بے بنیاد روایات سے بڑی حد تک اپنے قلم کو بچانے کی کوشش کی ہے، یہ کتاب اردو میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

مکمل لغات القرآن جلد پنجم — تالیف مولانا سید عبد الدائم الجلالی، تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۴۹۹ قیمت غیر مجلد ہے، مجلد عہ

پتہ: ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔

اس کتاب کے چار حصے اس سے پہلے مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی کے قلم سے شائع ہوچکے ہیں یہ پانچواں حصہ مولانا عبد الدائم صاحب نے تحریر فرمایا ہے، اور غالباً اس کے بعد ایک اور حصہ شائع ہوگا، جس پر کتاب تمام ہوجائے گی، اردو میں لغات قرآنی کی تشریح میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، جو بڑی مختصر ہیں لیکن یہ کتاب عام اور متداول کتابوں کی بہ نسبت زیادہ جامع اور مکمل معلوم ہوتی ہے، اس میں لغت حدیث اور تفسیر کی کتابوں کو پیش نظر رکھکر قرآن مجید کے الفاظ کے علاوہ ناموں، قصوں اور بعض ضروری امور کی بھی تشریح کردی گئی ہے، اور ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ مفرد الفاظ یا مصادر ہی کے ذکر پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کے وہ تمام مشتقات و مرکبات جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں، پاروں اور رکوع کے حوالوں کے ساتھ درج کردیے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ مولف اور ندوۃ المصنفین کو اس خدمت قرآنی کا اجر عطا فرمائے۔

اردو شاعری کی روایات اور دوسرے مضامین — مرتبہ جناب مشتاق صاحب میرٹھی ایم اے، چھوٹی تقطیع، صفحات ۱۲۸، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت اچھی، قیمت عہ

پتہ: محمد مشتاق ایم اے بی ٹی علیگ، پرنسپل ۵۶ کوٹلہ، میرٹھ (۲) مرکز ادب رحمانیہ کالج اگول (جمیر پور)

یہ لائق مرتب کے ان تنقیدی، ادبی مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں شائع ہوچکے ہیں، ان میں چند کے علاوہ سب اچھے اور مصنف کی تلاش و محنت کا نتیجہ ہیں، البتہ ہماری شاعری کا جغرافیائی پس منظر اور اردو شاعری کی روایات وغیرہ پر اور تفصیل کے ساتھ لکھنے کی ضرورت تھی، مصنف کا قلم نہایت سلامت رو اور محتاط ہے، چنانچہ "نیا ادب" اور "ادب میں جدید میلانات" کے موضوع پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس میں مشکل ہی سے بعض مقامات پر اختلاف کیا جاسکتا ہے، بہرحال یہ مجموعہ مفید ہے۔

منثورات من ادب العرب۔ مرتبہ مولوی محمد رابع صاحب حسنی ندوی، بڑی تقطیع، ضخامت ۴۸۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، قیمت ۳؍ - پتہ: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

دار العلوم ندوۃ العلماء اپنے ہر دور میں اس لحاظ سے ممتاز رہا ہے کہ وہاں اساتذہ اور طلباء عربی زبان لکھنے اور بولنے کی قدرت رکھتے ہیں، اور خوش قسمتی سے مولانا ابو الحسن علی ندوی کی سرپرستی میں یہ مذاق اور زیادہ ترقی کر گیا ہے، چنانچہ وہاں کے شعبۂ نشر و اشاعت کی جانب سے ادب و انشاء اور قواعد پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، پیش نظر کتاب میں حدیث و سیر اور تاریخ و ادب کی قدیم و جدید کتابوں سے نظم و نثر کا ایک انتخاب عربی مدارس کے طلبہ کے لیے مرتب کیا گیا ہے، انتخاب میں زبان و ادب کی رعایت کے ساتھ اس کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ وہ دینی روح، اسلامی فکر، صالح مزاج اور اخلاق فاضلہ کا بھی مرقع ہو، مجموعہ آسان اور عام فہم ہے کہ معمولی عربی جاننے والے بھی اسے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کتاب مولانا ابو الحسن علی ندوی کے مقدمہ اور لائق مرتب کے دیباچہ سے شروع ہوتی ہے، اور آخر میں مشکل الفاظ کی شرح بھی صفحات کے حوالہ کے ساتھ کر دی گئی ہے، کتاب اس قابل ہے کہ مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہو۔

دعوۃ الفطرۃ۔ مرتبہ مولوی محمد عطاء اللہ صاحب سلفی، کاغذ اچھا، قیمت درج نہیں، صفحات ۱۹۶
پتہ محمد عطاء اللہ سلفی صاحب، دار العربیہ بنگلور نمبر ۱

اس کتاب میں متکلمانہ انداز سے اسلام کے بنیادی عقائد پر بحث کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں ملاحدہ مخالفین اسلام اور خود مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں کا بھی جواب دیا گیا ہے، توحید کی بحث تقریباً نصف کتاب پر مشتمل ہے، اور آخر میں خلافت کا موضوع بھی قائم کیا گیا ہے جس میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا وجود جمہوریت اور اشتراکیت پر تفوق ثابت کیا گیا ہے، مجموعی اعتبار سے کتاب مفید ہے، لیکن بعض فروگذاشتیں بھی ہیں۔

"ض"

جلد ۸۱ ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۵۸ء نمبر ۴

مضامین

مقالات

ادبیات

باب التقریظ والانتقاد